دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
زیرِ سرپرستی: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق، بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور (مغربی پاکستان)

اس شمارے میں

بدل اشتراک

مغربی پاکستان :۔ سالانہ چھ روپے ، فی پرچہ ۵۶ پیسے۔
مشرقی پاکستان :۔ سالانہ بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے ، فی پرچہ ۶۲ پیسے۔
غیر ممالک :۔ سالانہ ایک پونڈ

کتابت : اصغر حسن

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک طابع و ناشر نے منظور عالم پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز
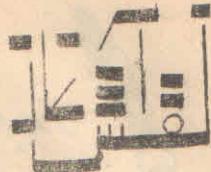
امریکہ ہزاروں میل دور ویٹ نام کے ساتھ جو کچھ کر رہا ہے وہی کچھ روس نے اپنے اتحادیوں کی مدد سے چیکوسلواکیہ کے ساتھ کیا، اپنے استعماری عزائم پر پردہ ڈالنے کیلئے روس اب ہزاروں تاویلات کرے گا۔ مگر حریت پسند اور باشعور دنیا ان تاویلات پر کیسے کان دھرے گی۔؟ جبکہ اب تک خود روس، ویٹ نام کے بارہ میں امریکہ کی ایسی تاویلات کا مذاق اڑاتا رہا۔ حقیقت بہرحال حقیقت رہے گی کہ روس ہو یا امریکہ مظلوم اور پسماندہ اقوام اور کمزور ممالک کو اپنے استبدادی پنجہ میں رکھنے اور انسانیت کا گلا گھونٹنے کے بارہ میں دونوں یکساں ہیں۔ امریکہ روس کو امن و سلامتی کا دشمن سمجھتا ہے۔ اور روس امریکہ کو ظلم و استعمار کا علمبردار، مگر ہر وہ شخص جس کے دل میں انسانی حقوق اور حریت اقوام کے جذبات موجزن ہوں اور یہ جذبات سیاسی مصالح کے دبیز پردوں میں دب نہ چکے ہوں، اُس کا ضمیر یہی فیصلہ کرے گا۔ کہ روس ہو یا امریکہ دونوں نہ مشرق کے دوست ہیں نہ مغرب کے، انہیں غرض ہے تو اپنی چودھراہٹ سے اور انہیں سروکار ہے تو اپنی خبیث اغراض اور اپنے استعماری مقاصد سے۔ اپنے مقصد کے لئے دونوں جب بھی چاہیں کسی بھی پُرامن اور ہنستے کھیلتے پرسکون ملک کو جہنم زار بنا دیں ـــــ صدیوں قبل یہود نے عیسائیوں پر اخلاق و تہذیب اور سچائی سے عاری ہونے کی پھبتی کسی، جواب میں عیسائیوں نے یہودیوں کو ہر خیر و بھلائی اور اخلاق و شرافت سے عاری قرار دیا۔ ایک جلیل القدر صحابی عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن کی زبانی دونوں کے ریمارکس سن کر فرمایا: صدقتا۔ یعنی دونوں نے سچ کہا یہود اور نصاریٰ واقعی ایسے ہیں، آج بھی اسی زبان میں کہا جا سکتا ہے کہ ایک دوسرے کے بارہ میں روس اور امریکہ دونوں سچے ہیں ـــــ ویٹ نام اور اس کے بعد چیکوسلواکیہ اس حقیقت کی زندہ مثالیں ہیں۔ اگر فلسطین، قبرص اور کشمیر سے ماؤف ذہن سبق نہیں لے سکے تو ان تازہ مثالوں میں تو ساری انسانیت سارے مشرق اور خاص طور پر سارے عالم اسلام کے لئے کھلی اور واضح نشانی موجود ہے۔ ویٹ نام بننے سے تو سب پناہ مانگتے ہیں۔ پھر کیا چیکوسلواکیہ کا حشر ویٹ نام سے مختلف ہے ؟

مشرقی پاکستان کے مولانا محمد اکرم خان وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم ان

بزرگ اور ممتاز اصحابِ فکر اور اربابِ قلم میں سے تھے۔ جن کا مسلمانوں کے نشاۃِ ثانیہ اور تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ تھا، قوم و ملت کے لئے مصائب جھیلے اور مادی زندگی بے لوث خدمات میں خرچ کی، آج جو قوم آزادی کے نشہ میں مدہوش ہو کر اپنا تن من دھن سب کچھ کھو چکی ہے، اپنے آپ کو اپنے دین و ثقافت کو اپنے تہذیب و تمدن کو فراموش کر چکی ہے، اپنے عزتِ نفس اور خودی کا سودا سرِراہ یورپ کے طوائف خانہ میں لگا چکی ہے اس قوم کی اکثریت اگر اپنے محسنوں کو بھول چکی ہو، اس قوم کے نوجوانوں کو اپنے بے لوث اور مخلص خادموں کے احوال و سوانح تک کا علم نہ ہو تو اس پر تعجب کیوں ہو۔ سچے خادموں کو قربانیوں کا صلہ زندگی میں نہیں ملتا، بناوٹ اور تصنع کے دور میں زندگی کی سٹیج پر بھی ایکٹروں اور نقالوں کا قبضہ ہو جاتا ہے، حقیقت پردوں میں مستور ہو جاتی ہے۔ شیر شکار کرتا ہے گیدڑ اور لومڑیاں اس کا مزا اڑاتی ہیں، مگر یہ صلہ کیا کم ہے کہ زندگی اصول اور مقاصد کی راہ میں قربان کر دی جائے۔ جب مقاصد پاکیزہ اور بلند ہوں، نیت خالص اور عزائم بے لوث ہوں تو ایسے لوگ کبھی نہیں مرتے، آخرت کی ابدی زندگی ان کا استقبال کرتی ہے، وہاں حقیقت ہی حقیقت ہے، وہاں مصنوعی ایکٹروں اور نقالوں کے لئے جگہ نہیں، وہ تو ان لوگوں کی اقلیم سلطنت و فرمانروائی ہے جنہوں نے حق و صداقت کا بول بالا کیا اور جن کا وجود ابدی حقیقتوں کا منّاد اور علمبردار رہا۔

یہ سطور لکھتے وقت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی دامت برکاتہم سرزمینِ پاکستان پر جلوہ افروز ہیں، اور ہم دل کی گہرائیوں سے ان کی خدمت میں مرحبا اور خوش آمدید کہتے ہیں، حضرت قاری صاحب عالمِ اسلام کی قابلِ احترام شخصیت، علومِ نبویہ کے جیّد عالم، حقائقِ اسلامیہ کے ترجمان اور خود اپنے اولوالعزم جدِ بزرگوار حجۃ الاسلام امام محمد قاسم نانوتوی کی حکمتِ قاسمیہ کے مظہر اور امین ہیں۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ تقریباً نصف صدی سے حضرت قاری صاحب عالمِ اسلام کی اس عالمی اور مرکزی نشرگاہِ علومِ رسالت دارالعلوم دیوبند کے مدیر ہیں جس کی حیثیت عالمِ اسلام کے لئے بمنزلۂ قلب و روح ہے اور جس کا شریک و ہمسر ادارہ دین کے تحفظ اور دینی اقدار کی اشاعت کے لحاظ سے اس وقت پورے عالمِ اسلام میں نہیں ہے۔ اپنی اس عالمگیر اور بین الاقوامی حیثیت کی بنا پر دارالعلوم دیوبند صرف

ہندوستان کا نہیں پورے برصغیر اور پورے عالمِ اسلام کا مشترکہ اساسہ ہے، اور اس لحاظ سے حضرت قاری صاحب کی ذات پوری اسلامی دنیا کے لئے مایہ ناز اور تمام مسلمانوں میں لائقِ احترام ہے، پھر خوش قسمتی سے پاکستان جغرافیائی لحاظ سے برصغیر کا ایک اہم حصہ رہا، اور اس مرکزِ علمی سے سب سے زیادہ اور اس کے فیوضات سے براہِ راست مستفید ہوتا رہا۔ اس ملک کی کیا بلکہ پورے برصغیر کے مسلمانوں کی اسلامی، دینی، علمی اور پھر سیاسی زندگی اس ادارہ اور اس کے اکابر کے مساعی کی رہینِ منت رہی ہے، اس لئے بجا طور پر پاکستان کے کروڑوں مسلمانوں کے قلوب میں دار العلوم دیوبند اور لاکھوں افراد کے دلوں میں حضرت قاری صاحب اور دیگر اکابر دیوبند کے لئے بے پناہ جذبۂ عقیدت واحترام پایا جاتا ہے۔ اور طبعی طور پر اس روحانی، علمی اور ثقافتی روابط کی بناء پر سب کے دلوں میں حضرت قاری صاحب کی زیارت اور ان کے فیوضات سے استفادہ کی تڑپ رہتی ہے، مگر اس دفعہ عقیدتمندوں کے اس شوق اور روحانی تعلق کو ہمارے ہاں جس بُری طرح مجروح اور پامال کیا گیا اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے، پہلے تو سالہا سال سے حضرت کے متوسلین اور اعزہ واقارب کی کوششوں کے باوجود ویزا پر پابندی رہی پھر جب ویزا ملا تو پاکستان داخل ہوتے ہی ان کی زبان بندی کی گئی، یہ صورتحال ہماری سمجھ سے بالاتر ہے مگر اتنی بات تو یقینی ہے کہ —— کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں —— اس لحاظ سے یہ صورتحال اور بھی بے حد افسوسناک ہے کہ حضرت کی شخصیت اس وقت نہ کوئی سیاسی شخصیت ہے، نہ نزاعی اور نہ ان کے ارشادات کا ہدف کسی خاص فرقہ کی تائید اور دوسرے فرقہ پر تنقید رہا ہے۔ ان کی تقاریر اور خطبات کا ریکارڈ اس امر کی کھلی شہادت دے گا کہ حضرت نے ہمیشہ نہایت سلجھے ہوئے سنجیدہ اور متین انداز میں کتاب وسنت کی ترجمانی کی ہے۔ ان کا محور ٹھوس علمی مضامین کا حکیمانہ بیان اور اصلاحِ امت ہی رہا، کسی سیاسی موضوع یا مذہبی فرقہ کو ہرگز نشانہ نہیں بنایا۔ پھر مسلمانانِ برصغیر کے نشاۃِ ثانیہ میں حضرت قاری صاحب نے اپنی صوابدید کی بناء پر جو کچھ کیا وہ بھی خواب وخیال کی باتیں نہیں ہیں کہ اتنی جلد بھلائی جائیں۔ تو کیا اکابر امت اور قاری صاحب کے یہ تمام علمی مزایا اور فضائل، دینی کارنامے اور اسلامی خدمات اور بین الاقوامی حیثیت اس سلوک اور پذیرائی کی مستحق ہے؟ —— کیا "سرزمین پاک" کے مقدر میں یہی رہ گیا ہے۔ کہ اس کے دروازے نام نہاد "سیدنا" قسم کے بزرگوں اور خود ساختہ فرقوں اور

گروہوں کے "امیروں" اور "اماموں" کیلئے تو چوپٹ کھلے ہوں عیسائی "فادر" اور ظلّی و بروزی خلفاء تو ہر اعزاز و اکرام کے مستحق سمجھے جائیں ثقافتی طائفوں کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کیا جائے، اور قوم کی دولت ان پر فدایانہ نثار کی جائے مگر پابندی ہے تو اُن لوگوں کی نقل و حرکت پر جن کے دم قدم سے آج اس سرزمین میں خدا اور اس کے رسول کا نام گونج رہا ہے۔ اور جس نام کے صدقے سے آج ہم مسندِ حکومت و امارت پر براجمان ہیں ۔۔۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ۔

سمیع الحق
۸ر جمادی الثانی ۱۳۸۵ھ

جہادِ ستمبر ۱۹۶۵ء موقر معاصر ماہنامہ البلاغ کراچی نے جہادِ ستمبر ۶۵ء کے بارہ میں ایک سوالنامہ کے ذریعہ اکابرِ ملت اور عمائدین قوم کی رائے معلوم کرنی چاہی ہے ۔ اس قسم کے ایک سوالنامے کا جواب ماہنامہ الحق کے سرپرست حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ کی طرف سے بھی دیا گیا ہے، جس میں ہم قارئین الحق کو بھی شریک کرنا چاہتے ہیں :۔

سوال ۔ جہادِ ستمبر میں فتح کے اسباب کیا تھے ۔ ؟

جواب ۔ فتح کا بنیادی سبب نصرتِ خداوندی کا ظہور تھا جس کے نتیجہ میں پاکستان کے تمام باشندے اپنے وسائل اور ذرائع کو فتح و کامرانی کے لئے بروئے کار لائے، پوری قوم اس معاملہ میں متحد ہوئی، اہل اللہ اور عبادِ صالحین نے ابتہال اور تضرع سے علماء اور خطباء و مفتیین نے جذبۂ جہاد بیدار کرنے اور ابھارنے کی کوشش سے سیاسی اور قومی رہنماؤں نے پوری یکجہتی کے ساتھ اپنی جدوجہد جاری رکھنے سے تجار اور متمول حضرات نے مالی اور اقتصادی تعاون سے عامۃ المسلمین نے ایثار اور قربانیوں سے اور سب سے بڑھ کر پاکستانی افواج کے سرفروش مجاہدین نے اپنے مومنانہ کردار، مجاہدانہ حوصلہ، استقامت اور صبر و ثبات سے ملک کو کامرانی اور اسلام کو اقوامِ عالم میں سرخروئی سے ہمکنار کر دیا۔ اگر پاکستانی افواج کا سرخروئی آخرت اور رضائے مولیٰ کے حصول کا جزم و یقین اور حیاتِ جاودانی کا عقیدہ نہ ہوتا تو محض اسباب و آلات اور صرف بہترین فوجی تربیت سے یہ چیز حاصل نہ ہوتی ۔۔۔۔

سوال ــ اس جہاد سے پاکستان اور اہل پاکستان کو کیا سبق ملا اور کیا فوائد حاصل ہوئے؟
جواب ــ اس جہاد نے پاکستان کو ایک ہی سبق دیا کہ اس ملک اور قوم بلکہ ہر اسلامی ملک کی حفاظت صرف اسلام اور اسلامی جذبات واحساسات اور مومنانہ کردار ہی سے وابستہ ہے، یہاں مختلف قبائل اور علاقوں کے باشندوں کو صرف اسلام کے رشتہ نے دشمن کے مقابلہ میں بنیان مرصوص بنا دیا تھا ــــ مراکش اور انڈونیشیا میں رہنے والے مسلمانوں کے دل کی دھڑکنیں صرف اسلام کی وجہ سے پاکستان کے لئے دھڑک رہی تھیں، خیبر اور چاٹگام نے اسلام ہی کے رشتے سے اپنی قسمت ایک دوسرے سے وابستہ کی تھی۔ ایسے وقت میں حقیقی اور موثر مددگار صرف مسلمان ہی ثابت ہوئے خواہ وہ مصر وشام میں بستے تھے یا سعودی عرب اور ایران میں یہ حقیقت ایک بار پھر آشکارا ہوگئی کہ اہل کفر وضلال سب ملت واحدہ کے اجزاء واعضاء ہیں۔ اور مسلمانوں کی دشمنی اور ان کی شکست کی خواہش ان کی فطرت میں رچی ہوئی ہے، خواہ ان کا تعلق مشرق سے ہو یا مغرب سے۔

سوال۔ جہاد ستمبر نے ہمیں جو سبق دئے کیا ان کی بناء پر ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی آئی ہے۔؟
جواب۔ افسوس کہ اس بارہ میں یہاں کی اکثریت بالخصوص ارباب اختیار واقتدار نے خداوندکریم کے احسانات اور نعمتوں کی ناشکری اور ناقدری کا مظاہرہ کیا زیادہ مسئولیت ان لوگوں کی ہے جن کے ہاتھ میں زمام کار ہے، ان کا فرض تھا کہ جنگ سے پیدا شدہ اسلامی جذبات کو نہ صرف محفوظ رکھنے کا انتظام کرتے بلکہ اس کی پرورش کرتے۔ یہاں تک کہ جذبات دینی کی حرارت سے پگھلا ہوا مادہ فطرت پوری طرح مومنانہ سانچہ میں ڈھل جاتا۔ منکرات اور فواحش سے پورا معاشرہ کلی طور پر پاک کر دیا جاتا اور طیبات و معروفات کی برکات سے ملک کا چپہ چپہ مالامال کر دیا جاتا بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملک جس تیزی سے مصیبت کے وقت خدا کی طرف پلٹ گیا تھا، اسی تیزی سے سب کچھ بھول کر ہلاکت اور تباہی کی طرف دوڑنے لگ گیا ہے، ایسے حالات میں بسا اوقات خداوندکریم کے سابقہ انعامات ابتلاء اور آزمائش کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور کفرانِ نعمت کا خمیازہ پورے ملک اور قوم کو بھگتنا پڑتا ہے ــ خداوند تعالیٰ ہم سب کو اس روزِ بد سے محفوظ رکھے اور ہمارا ملک واقعی معنوں میں اسلام اور اسلامی اقدار کا مظہر بن جائے ــــ

سوال — حق و باطل کا معرکہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ باطل کی تیاریاں بالکل واضح ہیں، ان تیاریوں کے جواب میں مسلمانوں اور بالخصوص اہل پاکستان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان کی تیاریاں کس نہج پر ہونی چاہئیں۔؟

جواب — اس کا جواب بھی ضمناً آگیا ہے، ہماری تیاری ایک مسلمان کی حیثیت سے سب سے پہلے یہ ہونی چاہئے کہ ہر فرد کامل اور صحیح مومن بن جائے، اپنے تمام وسائل اور ذرائع کو خدائی امانت سمجھنے لگے۔ خواہ اس کا تعلق رعایا سے ہو یا حکام سے۔ قرآن و سنت کو واقعی معنوں میں حاکمیت دی جائے اور پورے معاشرہ پر عملاً اسے لاگو کر دیا جائے۔

پھر روح اور باطن کے تزکیہ و تطہیر کے ساتھ اسباب اور آلات کی تیاری اور ترقی پر بھی خود اعتمادی کے ساتھ ہر وقت نظر رہے۔ صرف دریوزہ گری اور کاسہ لیسی پر بھروسہ نہ ہو بلکہ حسب ارشاد: واعدّوا لھم ما استطعتم۔ اپنی تمام قوت اور توانائی کو اعداد عَدَد و عُدَد میں لگایا جائے۔ یہاں تک کہ ہر فرد عملاً مجاہد اور مرابط بن جائے، کہ مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ ہر جگہ اور ہر وقت رباط اور جہاد میں رہتا ہے۔ کبھی اعدائے اسلام سے کبھی نفس سے اور کبھی نفس اور کفار دونوں سے ——

قوت حاکمہ پر اس سلسلہ میں یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی ذہنی اور فکری تربیت اس نہج پر کرتی رہے کہ وہ فتح، ذلت، شکست اور کامرانی کو خداوند کریم کی کرشمہ سازی کا نتیجہ سمجھنے لگیں، اور یہ کہ فتح اور شکست دونوں کے کچھ اسباب ہیں اور ذلت و سرخروئی دونوں کو خدا نے اپنے اپنے سبب سے وابستہ کر دیا ہے۔ قوم نے جس راہ اور جن اسباب کو اپنا لیا اسی کا ثمرہ اور نتیجہ پائے گی — اس بارہ میں خداوند کریم کے چند واضح ارشادات تو قوم کے ہر فرد کی نگاہوں کے سامنے رہنے چاہئیں ——

۱۔ ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ۔	اگر خدا تمہاری مدد کرنا چاہے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔ اور اگر تمہیں رسوا کرنا چاہے تو کون ہے کہ تمہاری مدد کرے اس کے سوا۔
۲۔ ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین	کمزور اور سست مت بنو اور غم مت کرو اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب ہوگے۔

نیز حسب ذیل آیت تو اور بھی کھلے طور پر اسباب فتح اور یہ کہ ہماری تیاری کس نہج پر ہونی چاہیئے، پر روشنی ڈال رہی ہے۔ یہ چند ایسے اصول ہیں جنہیں اپنا کر ہر دور میں مسلمان فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم فئۃً فاثبتوا واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطراً ورئاء الناس ویصدون عن سبیل اللہ واللہ بما تعملون محیط۔

اے ایمان والو جب تم مقابلہ کرو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو اور بہت یاد کرو اللہ کو تاکہ تم مراد پاؤ اور حکم مانو اللہ اور اس کے رسول کا اور آپس میں مت جھگڑو۔ پس نامرد ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور مت ہو جاؤ ان جیسے جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کو اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ کے قابو میں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

...

جنگی کامیابی کے لئے اس آیت سے ترتیب وار حسب ذیل اصول ثابت ہوئے:۔
۱۔ ثبات قدمی۔ ۲۔ ذکر اللہ۔ ۳۔ اطاعت۔ ۴۔ اتحاد و اتفاق۔ ۵۔ صبر و استقامت ۶۔ تکبر اور نام و نمود سے احتراز۔ ۷۔ مقصد صرف اعلاء کلمۃ اللہ۔ ۸۔ استحضار خداوندی۔

سوال — جہاد ستمبر میں علماء کا کردار کیا تھا۔ اور آئندہ کبھی ایسا موقع آئے تو کیا ہونا چاہیئے۔؟

جواب — علماء نے بلالحاظ اختلاف مسلک و مشرب پوری یکجہتی سے ملک کی حفاظت اور مدافعت میں بھرپور کوشش کی محرکات اور اسباب کے لحاظ سے فتح کے سلسلہ میں علماء حق کا نام سرفہرست ہونا چاہیئے، آئندہ بھی علماء حق ملک کے تحفظ سالمیت اور خیرخواہی میں کسی سے پیچھے نہ رہیں گے، البتہ ان جذبات کی ترقی اور شدت کا دارومدار اس امر پر ہے کہ یہ ملک واقعی معنوں میں کتنا اسلام سے قریب ہوتا ہے۔ ایک اسلامی ملک کی حفاظت کیلئے ہر امیر (خواہ عادل ہو یا فاسق) کی امارت میں جہاد لازمی اور ضروری ہے مگر جذبات کا تعلق دین اور اسلام سے اولاً ہے۔ اور وطن اور زمین کی حیثیت ثانوی ہے۔ الجہاد ماضی الی یوم القیمۃ لا یبطلہ جور جائر ولا عدل عادل۔ (حضورؐ نے فرمایا جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ ظالم کے ظلم اور عادل کے عدل و انصاف کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔)

پرچہ مکمل ہو چکا تھا کہ دیوبند سے حضرت مولانا مبارک علی صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی وفات کی اطلاع ملی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (ادارہ)

دعوات عبدیت حق

درس قرآن کریم

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

ایک لافانی کتاب اور اس کے تقاضے

حسب ذیل خطاب سے حضرت شیخ الحدیث نے ۲۶ر محرم الحرام ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۵ر اپریل ۱۹۶۸ء کو مسجد قاسم علی خان پشاور میں حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم پوپلزئی اور مولانا محمد یعقوب القاسمی فاضل حقانیہ کی دعوت پر انجمن تبلیغ قرآن و سنت کے درسوں کا افتتاح فرمایا ——— (ادارہ)

★

یسبح للہ ما فی السموات وما فی الارض الملک القدوس العزیز الحکیم ———

محترم بزرگو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا بے حد ممنون ہوں اور آپ کی اس مہربانی کا شکرگزار ہوں کہ ایسی مقدس مجلس میں جس میں درس قرآن کریم کا افتتاح ہو رہا ہے، مجھے شرکت کا موقع دیا۔ مجھ جیسے کم علم اور بیمار انسان کو اس امر کا لائق سمجھا گیا۔ یہ آپ لوگوں کی ذرہ نوازی ہے۔

درس قرآن کی فضیلت حضرات! درس قرآن کی مجلس ان مجالس میں سے ہے جس کے بارہ میں حضور اقدس نے ارشاد فرمایا:

ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتدارسون القرآن الا حفتھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ وذکرھم اللہ فی من عندہ۔ ....

جب بھی کوئی جماعت اللہ کے کسی گھر میں جمع ہو کر قرآن کریم پڑھنے پڑھانے بیٹھی ہو تو رحمت کے فرشتے اسے ڈھانپ لیتے ہیں رحمت خداوندی اسے گھیر لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے مقربین یاد کرتا ہے۔

آج اگر کسی معمولی سی عزت اور حاجت کی جگہ پہ کوئی ہمارا نام لے لیتا ہے تو اس پہ فخر اور خوشی کی جاتی ہے تو جب احکم الحاکمین کے دربار اور ملائکہ کی مجلس میں ذکر آجائے تو کتنی عزت اور خوشی کی بات ہوگی ـــــ دین کیلئے اجتماع میں مجمع کا زیادہ ہونا ضروری نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لفظوں میں ذکر کیا: ما اجتمع قوم۔ گویا جب بھی چند افراد دین کے لئے اکٹھے ہو جائیں وہ اس بشارت اور نزول رحمت و برکت کے مستحق ہوں گے۔

دین کی خدمت تھوڑے اور غریب لوگوں نے کی | یہ خدا کی شان ہے کہ دین کی خدمت ہمیشہ ابتداہی سے کم اور غریب طبقہ سے ہوتی چلی آئی ہے۔ وقلیلٌ من عبادی الشکور۔ میرے بندے کم ہی شکر گزار ہوتے ہیں۔ مگر ان قلیل افراد نے جب ہمت اور حوصلہ نہ ہارا تو خدا نے ان کے ہاتھ سے اپنی قدرت کاملہ سے وہ وہ کارنامے ظاہر کرائے کہ دنیا حیران ہوئی۔

کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ	بسا اوقات تھوڑی جماعت اللہ کی مرضی سے
کثیرۃ باذن اللہ۔	بہت بڑی جماعت پہ غالب آجاتی ہے۔

آج ہم اور آپ جس قرآن کے سیکھنے کیلئے یہاں بیٹھے ہیں دنیا کی اکثریت اس کے سیکھنے پڑھنے تلاوت کرنے اور اس کے معانی و مفاہیم سمجھنے کی مخالفت کرتی ہے اور یہ مخالفت کوئی نئی بات نہیں۔ خود قرآن کریم نے ایسے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے:

وقال الذین کفروا لا تسمعوا	اور کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو مت سنو
لھذا القرآن والغوا فیہ	شور و شغب کرتے رہو شاید تم اس طرح
لعلکم تغلبون۔	مسلمانوں پر غالب آجاؤ۔

گویا یہ کہا گیا کہ اس مجلس درس میں شمولیت نہ کرو بیٹھو، سینماؤں کی سیر کرو، بازاروں کے ہنگامے دیکھو، ریڈیو سنو اس قرآن کے سننے سے کیا فائدہ ـــــ۔

ـــــ تو قرآن کی اشاعت اور تعلیم کی اس وقت سے مخالفت چلی آرہی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات ؐ کو مبعوث فرمایا مگر ایک قلیل جماعت حضورؐ کے جان نثاروں کی بھی تھی۔ سیدنا صدیق اکبر اور ان جیسے چند حضرات حضرت بلالؓ، جامع القرآن حضرت عثمانؓ، فاروق بین الحق و الباطل حضرت فاروقؓ، حضرت سیدنا علیؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر باش رہے، قرآن پاک سیکھنے کے لئے زندگی وقف کی تو اللہ نے اس قلیل جماعت کے ذریعہ دنیا کو اس وقت بھی منہ توڑ جواب دیا اور اب بھی دیتا ہے اور اعلان ہے:

الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ	اگر تم رسول کی مدد نہ کرو تو خدا نے اسکی مدد فرمائی

اذا اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا۔ ہے، ایسے وقت میں جبکہ کافروں نے انہیں مکہ سے نکال دیا دو میں سے ایک جبکہ دونوں غار میں پناہ لئے ہوئے تھے جبکہ حضورؐ اپنے ساتھی حضرت صدیقؓ سے کہنے لگے غم مت کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

دین کسی کی مدد کا محتاج نہیں | اے روئے زمین کے باشندو کیا تم سمجھتے ہو کہ ہماری مدد سے یہ دین چل رہا ہے، اسلام کی ترقی ہے، نہیں اگر تم سب روئے زمین کے باشندے اپنی مدد چھوڑ دو یہاں تک کہ مخالفت پر کھڑے ہو جاؤ مگر جب کہ خدا کو قرآن کی حفاظت اور اسلام کی قوت منظور ہے، تو یہ محفوظ اور باقی رہے گا۔ آج دنیا میں قرآن کے مقابلہ میں کئی کتابیں ہیں، انجیل، اور تورات جن کا اصل واقعی آسمانی تھا۔ ان کی پشت پر دولتمندوں کی دولت حکومتوں کی قوت، مشنریوں کی چاپلوسی، خوش خلقی، خدمت وغیرہ کی شکل میں موجود ہے۔ دنیا کی قومیں ان کی اشاعت کے لئے مصروف ہیں مگر جس چیز کی حفاظت خدا نہ کرنا چاہے وہ کب محفوظ رہ سکتی ہے۔ آج انجیل اور تورات کا کوئی حافظ دنیا میں موجود نہیں اور نہ ہی ان کا کوئی ایک غیر محرف اور صحیح نسخہ مل سکتا ہے ۔ صرف انجیل میں ایک پادری نے ۳۰ ہزار غلطیوں کا اعتراف کیا ہے۔ اور قرآن کی پشت پر نہ حکومت ہے نہ قوت نہ دولت اور اس میں بھی خدا کی حکمت ہے کہ خدا نے حکومت اور قوت کے ذریعہ قرآن کی حفاظت نہیں کرائی۔ دور خلافت راشدہ کے بعد الاماشاء اللہ عمر بن عبدالعزیزؒ، ہارون الرشیدؒ، اورنگ زیبؒ عالمگیر، غیاث الدین بلبنؒ جیسے گنے چنے حکام اور امراء بھی خدا نے پیدا کئے جنہوں نے قرآن کریم کی خدمت کی مگر اس خدمت نے ان لوگوں کو دوام بخشا۔ قرآن اُن کا محتاج نہیں تھا۔ ان لوگوں نے قرآن اور دین کو اپنا کر اپنی دنیا و آخرت سنوار لی۔ ان میں سے ایک غیاث الدین بلبن کے بارہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ محل کی تقریباً ایک ہزار کنیزوں اور خادماؤں کے لئے یہ شرط رکھی گئی تھی کہ ہر کنیز قرآن پاک کی حافظ ہو۔

موت کا ہر وقت خیال | ان کی نشستگاہ اور خوابگاہ میں کفن سامنے لٹکا رہتا تھا کہ کسی حالت میں خداوند کریم کی یاد اور موت بھول نہ جائیں، اور یہ تو بلبن جیسے نیک اور پارسا بادشاہ کی حالت ہے۔ اکبر جو بڑا ملحد اور بے دین گذرا ہے۔ اپنی سلطنت اور حکومت کے استحکام کیلئے ایک ایسا دین اس نے بنایا جو عجیب و غریب معجون مرکب تھا۔ تاکہ سب مذاہب والے خوش رہیں ایک ایسا ماڈرن دین بنایا جس سے آج کے بے دین بھی استفادہ کر رہے ہیں ۔ تو اکبر نے

پائیدار حکومت کی امید میں ایک مخلوط مذہب کی داغ بیل ڈالدی جو دینِ الٰہی کہلایا، ہندو، بائیبل، انجیل اور قرآن وغیرہ سب کا مجموعہ تھا کہ کسی کو شکوہ شکایت کا موقع نہ ملے۔ گویا با مسلماں اللہ اللہ بابرہمن رام رام کے مصداق تھا۔ الغرض اسکی لادینی اور گمراہی کی مثال نہیں ملتی۔ مگر پھر بھی جیساکہ کتابوں میں لکھا ہے اسے قبر اور برزخ کی تنہائی اور تاریکی کا فکر دامنگیر ہوا۔ دماغ پر ایک بار یہ تصور ایسا چھاگیا کہ نیند اچاٹ ہوگئی، وزراء نے اس کا فکر اور پریشانی دور کرنے کی ترکیبیں سوچیں اس کے ایک وزیر بیربل نے تسلی دینا چاہی اور کہا کہ بے غم اور بے فکر رہو، مسلمان کہلاتے ہو تمہاری قبر میں حضور اقدسؐ کے انوار و برکات کی روشنی پڑتی رہے گی تو تمہیں وحشت نہ ہوگی۔ تو میرا مقصد یہ نہیں کہ اکبر واقعی اس نور اور برکت کا مستحق ہو سکے گا یا نہیں۔؟ صرف یہ مقصد ہے کہ اس وقت اکبر جیسے بے دین کو بھی آخرت کی فکر ہوتی ــــ مگر آج تو اس تصور کو بالکل پس پشت ڈال دیا گیا ہے اور اس پر ایمان بھی بہت ہی کم لوگوں کا رہ گیا ہے۔ بلبن نے عمر بھر کفن سامنے رکھوایا خادم کو حکم تھا کہ تہجد کے وقت جگایا کرو، نہ اٹھوں تو چارپائی الٹا دیا کرو کہ کہیں تہجد قضا نہ ہو جائے ــــ تو یہ چند حضرات تو تاریخ کے روشن ستارے ہیں۔

دین کی حفاظت حکومت اور دولت سے نہ کرانے میں کیا حکمت ہے؟ عموماً دین کی خدمت خدا نے حکومت اور اقتدار کے ذریعہ نہیں کرائی، اور اس میں ایسی ہی حکمت ہے جیسی کہ بیت اللہ شریف کا حجاز جیسے خشک اور لق و دق صحراء میں واقع ہونے کی ہے ــــ آج عشاق ہزاروں روپے خرچ کر کے مکہ جاتے ہیں، اگر وہ خطہ باغات کا ہوتا نہریں اور چشمے بہتے پھول اور مرغزار ہوتے، یورپ کی طرح تفریح گاہیں ہوتیں تو اقوام عالم کہتیں کہ مسلمان سیر و تفریح کے لئے وہاں جاتے ہیں مگر وہ تو وادی غیر ذرع (بن کھیتی زمین) ہے نہ سبزہ ہے نہ سیر و تفریح کا سامان خالص اللہ اور اس کے گھر کی خاطر لوگ جاتے ہیں، اور دنیا کی کوئی دوسری قوم اللہ کی خاطر اتنی بڑی تعداد میں کہیں جمع نہیں ہوتی تو اگر دین کی حفاظت خدا نے امراء حکام اور دولتمندوں سے کرائی ہوتی تو مخالفین اسلام طعنہ زنی کرتے کہ یہ دولت اور قوت کے کرشمے ہیں حکومت اور اقتدار اسکی پشت پر ہے ــــ تو خدا نے بتلا دیا کہ صرف میں ہی اسکی حفاظت کرنے والا ہوں:

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون۔ — بیشک ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآن کی حفاظت بائیبل کی پشت پر سارا یورپ ہے مگر ایک نسخہ کا حافظ بھی نہیں اور

نہ انجیل کا ایک ایسا نسخہ موجود ہے جس پر سارے عیسائیوں کا اتفاق ہو اور یہ آج کی بات نہیں بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کے تھوڑے عرصہ بعد ہی سینکڑوں نسخے رائج ہو تے۔ پھر مروّجہ چار انجیلوں کا انتخاب بھی عجیب طرح سے ہوا، کہ ساری اناجیل کو ایک میز پر رکھ کر ہلایا گیا، جو گر گئیں وہ ساقط الاعتبار ہوئیں، اور جو چار نسخے باقی رہ گئے وہ قابل عمل سمجھے گئے ۔۔۔ جس کتاب کا انتخاب ایسی مضحکہ خیز قرعہ اندازی سے ہوا ہو اس کا مقابلہ قرآن کریم سے کب کیا جا سکتا ہے۔ آج بھی الحمد للہ اس مختصر سی مجلس میں بیس تیس حافظ قرآن موجود ہوں گے اور یہ اس لئے کہ احکم الحاکمین نے خود اسکی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔

محفوظ چیز کی پناہ لینے والے محفوظ رہتے ہیں | جب قرآن پاک محفوظ رہے گا تو اس کے دامن میں جو آجائیں گے وہ بھی محفوظ رہیں گے۔ آج اگر سارے ملک پر بمباری ہو ملک کی کوئی جگہ محفوظ نہ ہو اور حکومت وقت اعلان کر دے کہ اس پشاور کو ہم نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔ اس پر کوئی بم نہ گرا سکے گا تو اگر باہر کے رہنے والے لوگ اپنی حفاظت چاہیں تو اس کا علاج یہی ہو گا کہ سب لوگ اسی شہر میں آجائیں۔ گویا محفوظ رہنے کے لئے محفوظ جگہ میں ہونا ضروری ہے۔ تو قرآن پاک جو محفوظ ہے اور جسکی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے، اس کے دامن میں جو آجائے گا وہ بھی محفوظ رہے گا۔

قرآن پاک کا مقابلہ ناممکن ہے | جسطرح اللہ کی مخلوقات مثلاً آسمان زمین چاند سورج کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا کہ اسی طرح ایک چیز پیدا کر کے کھڑی کر دیں اسی طرح اللہ تعالےٰ کی صفات کا مقابلہ کسی سے نہیں ہو سکتا، جب قرآن کریم خدا کی صفت ہے تو اس کا مقابلہ بھی ناممکن ہے چودہ سو سال گذر گئے ہیں مگر ہم آج بھی چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی ایسی آیت بتلا دو جس میں حضور اقدسؐ کے بعد کسی قسم کی تبدیلی آئی ہو۔ کوئی دشمن اور مخالف یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ۔۔۔ خداوند کریم نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ جس شکل میں اسے نازل فرمایا وہی الفاظ ہو بہو آج بھی موجود ہیں ۔۔۔ اس طویل عرصہ میں کتنے انقلاب آئے، پاکستان تو اب قائم ہوا، تاتاریوں کا فتنہ چنگیز اور ہلاکو کی فتنہ سامانیوں کی مثال نہیں ملتی، چن چن کر علماء اور صلحاء کو انہوں نے ختم کیا، اسلامی آثار اور معابد مٹا دیئے۔ قرآن کریم کے نسخے اور اسلامی علوم کے ذخیرے دریاؤں میں ڈبو دئے اور حجاج بن یوسف نے ایک لاکھ سے زائد علماء و صلحاء تابعین اور حفاظ قرآن کو قتل کیا انگریز سارے عالم اسلام پر چھا گیا۔ مگر قرآن پاک کی حفاظت خدا نے اس پورے عرصہ میں کی۔ اس نے جو حفاظت کا وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا۔

ومن اصدق من اللہ حدیثا۔ اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ بات کا سچّا کون ہو سکتا ہے۔

ہر دور میں وعدۂ حفاظت کا ظہور | خداوند کریم عموماً اسباب کے ذریعہ کام کرواتا ہے ۔ تو قرآن کریم کے سلسلہ میں اس وعدۂ حفاظت کا ظہور بھی اس طرح ہوتا رہا کہ ہر دور میں اپنے مقبول بندوں اور عباد صالحین کے دلوں میں اسکی تعلیم اور تعلّم اور حفاظت کی تڑپ ڈال دی، اور جب بادشاہ کسی اہم کام کے کرنے کا اعلان کر دیتا ہے تو ــــ معتمد ترین اور چیدہ چیدہ افراد کو اس کام پر مامور کر دیا جاتا ہے ــــ تو خدا نے جس قوم اور جس فرد کو یہ جذبہ دیا کہ قرآن سنے، سیکھے اور لوگوں کو سنا دے تو یہ اسکی سعادتمندی اور مقرب و مقبول خدا ہونے کی نشانی ہے کہ خدا نے ایسے جلیل القدر کام کیلئے اس کا انتخاب فرمایا ورنہ وہ اس کیلئے کسی کا محتاج نہ تھا۔ یمنون علیك ان اسلموا قل لا تمنّوا علی اسلامکم بل اللہ یمنّ علیکم ان ھدٰکم للایمان ــــ یہ احسان خدا کا تمہارے اوپر ہے، وہاں تو مخلوق کی بے حساب درخواستیں ہیں کہ کسی کام کے شرف سے نواز دو، مگر اُس نے تمہیں اپنی غلامی میں لیا تمہارا احسان نہیں بلکہ اُس کا کرم ہے کہ تمہارے دلوں میں دین کی تڑپ ڈالدی اور تمہیں فانی کی بجائے باقی اور دائم کتاب سے جوڑ دیا جو خود محفوظ ہے، تو تمہیں بھی محفوظ بنا دے گی ــــ مگر افسوس کہ آج مسلمان بھی اپنی حفاظت اور ترقی دیگر امور میں تلاش کرتے ہیں، حقیقی ترقی اور حفاظت تو قرآن اپنانے سے نصیب ہو سکتی ہے ــ کاش! مسلمانی کے دعووں کے ساتھ ساتھ آج کے بدویوں میں کچھ تو جذبہ قرآن کی خدمت کا ہوتا۔ آج زراعت اور صنعت کے لئے وقت نکال سکتے ہیں، تفریح اور سینماؤں کیلئے مخصوص وقت ہے۔ مگر درس قرآن اور تعلیم دین کا شغف نہیں رہا اور کہا جاتا ہے۔ کہ یہ مولویوں کا کام ہے، ہمیں اتنی فرصت کہاں ــــ اور کئی ایسے طنزیہ جملے بولتے ہیں۔

غیر محتاط گفتگو کا نتیجہ | یہ ایسے طنزیہ جملے ہیں کہ اگر رحمۃ للعالمین کی دعائیں نہ ہوتیں اور اسکی امت میں شمار نہ ہوتے تو ایسے جملوں سے لوگوں کے چہرے خنزیر اور بندروں کی شکل میں مسخ ہو جاتے مگر حضورؐ کی دعا تھی کہ اے اللہ میری امت کو خسف اور مسخ سے محفوظ رکھ اگر یہ دعا نہ ہوتی تو ایسے جملوں سے کیا کیا عذاب دنیا میں بھی بھگتنا پڑتا ــــ افسوس! کہ مسلمان بلا سوچ و سمجھ طنز و مذاق اور تمسخر کی شکل میں ایسی ایسی باتیں منہ سے نکال دیتے ہیں جس سے سارے اعمال صالح ضائع ہو جاتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے باب باندھا کہ مسلمان کو حبط اعمال کا ہر وقت خطرہ رہنا چاہیئے۔ حضرت حسن بصریؒ ہر وقت متفکر خاموش اور پریشان

رہتے، کسی نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ کیا خبر غفلت میں کوئی ایسی بات منہ سے نکلی ہو جس سے ایمان اور اعمال سب کچھ ضائع ہو چکے ہوں ——— الغرض خدا کا کلام خدا کی صفت ہے خدا اور اسکی صفات باقی ہیں۔ تو جنہوں نے اپنے آپ کو اس کے ساتھ وابستہ کیا وہ بھی باقی بن گئے ———

قرآن کے انوار و برکات کا مشاہدہ | صاحب کشف بزرگوں پر جب اس کے برکات و انوار کا انکشاف ہوا تو انہوں نے قرآن کی خدمت کو اپنی زندگی کا واحد مقصد بنالیا۔ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے قرآن مجید کے درس و تدریس اور ترجمہ و تفسیر کو عمر بھر اپنا مشغلہ بنایا تو حضرت فضل الرحمان گنج مراد آبادی جو صاحب کشف بزرگ تھے، حدیث رسول کے عاشق تھے، وصیت فرمائی تھی کہ وصال کے وقت حدیث کی تلاوت کرتے رہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ غالباً انہوں نے اپنا کشف بیان کیا کہ شاہ عبدالقادر مرحوم کی تدفین کے وقت چاروں طرف سے ۱۴ میل کے رقبہ سے عذاب قبر اٹھایا گیا۔ ایک شاہ صاحب کی برکت سے اتنا فائدہ ہوا اور اسکی مثال ایسی ہے کہ یہ بجلی کی روشنی ہے، یہ بجلی کا پنکھا چل رہا ہے کسی خاص آدمی کے لئے مگر فائدہ اوروں کو بھی پہنچ رہا ہے۔

شیخ الہندؒ اور مولانا احمد علیؒ کی مثال | ہمارے استاذ الاستاذ حضرت شیخ الہندؒ سے زندگی بھر کی سب سے زیادہ قابل قدر دینی خدمت کے بارہ میں دریافت کیا گیا کہ جس سے آخرت کی نجات کی امید وابستہ ہو تو فرمایا کہ میں نے حضرت شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کو بامحاورہ کردیا ہے، یہ اُس بزرگ کا ارشاد ہے جس کے مساعی جمیلہ کی بدولت آج ہم آزاد ہیں، انگریز نے کہا کہ اگر ہم انہیں جلا بھی دیں تو ان کی راکھ سے بھی برطانیہ برباد کی آواز آئے گی۔ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ نے ساری بغاوت کو حضرت شیخ الہندؒ کی کارروائی قرار دی ہے۔ مالٹا کی اسارت، اللہ کی راہ میں جہاد اور تکالیف یہ سب خدمات جلیلہ اور قابل نجات اعمال تھے۔ مگر پوچھنے والے کے جواب میں آنسو جاری ہوئے اور فرمایا مجھ جیسا مجبور و ناتوان کیا خدمت دین کر سکے گا۔— ہاں مگر حضرت شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کی تسہیل کی ہے اور اسی خدمت کو بغل میں دبائے خدا کے ہاں حاضر ہوں گا۔

اسی طرح حضرت مولانا احمد علی صاحب مرحوم شیخ التفسیر لاہوریؒ کی مثال آپ کے سامنے ہے، چالیس پچاس سال تک قرآن پاک کا درس دیا۔ جب ہمارے دارالعلوم حقانیہ کے بعض طالب العلم دورۂ حدیث سے فارغ ہو کر وہاں درس میں شرکت کرتے تو بے حد خوش ہو کر دعائیں دیتے ——

درس میں ایک ایک طالب العلم پڑھنے سے خوش ہوتے ۔ اور قرآن کی خدمت نے ان کو کیسا دوام بخشا کہ وصال کے بعد قبر مبارک کی مٹی سے عجیب خوشبو لاکھوں لوگوں نے محسوس کی دس بیس دن بعد میں نے خود جا کر قبر مبارک کی مٹی سونگھی اور ایک عجیب کیفیت پائی ۔

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

امام بخاریؒ کے مزار سے ۶ ماہ تک خوشبو آتی رہی جو کہ حدیثِ رسول کی برکات کا ظہور تھا لوگ قبر کو بھرتے تھے اور وہ پھر خالی ہو جاتی تھی۔ آخر لوگوں نے دعا کی تو اس کرامت کا ظہور بند ہوا۔

آیت کی تشریح | اب مختصراً اور تبرکاً جو آیت ابتداء میں پڑھی گئی ہے۔ اسکی تشریح کرتا ہوں۔

یسبح للّٰہ ما فی السموات وما فی الارض ۔ خدا کی پاکیزگی اور تقدیس کرتی ہے۔ ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے کہ وہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے ۔ منبع الکمالات ہے ، سارے عالم کے کمالات اسی سے ہیں ، جہاں کہیں علم ہے یا طاقت ہے اور شجاعت ہے جو بھی خوبی پائی جاتی ہے ، یہ اسی کی کرشمہ سازی ہے ، چاند اور سورج اور ستاروں کو یہ حسن کس نے دیا ۔؟ اور کس نے انہیں پیدا کیا ۔؟ کافروں کو بھی اعتراف ہے کہ خدا نے پیدا کیا ۔

ولئن سألتھم من خلق السموات والارض لیقولن اللّٰہ ۔ اگر ان مشرکین سے تو پوچھے کہ یہ زمین اور آسمان کس نے پیدا کئے ، تو جواب میں کہیں گے کہ اللہ نے ۔

یوم المیثاق کا سبق | آج کمیونزم پھیل رہا ہے ، دہریت کا پرچار ہے ، مگر واللہ العظیم جو سبق ہمیں یوم المیثاق میں دیا گیا ہے دلوں میں بے اختیار سمایا ہوا ہے وہ سبق الست بربکم کا تھا جب خداوند تعالیٰ نے تمام مخلوق سے دریافت کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ، تو سب نے یک زبان ہو کر کہا بلیٰ انت ربنا بیشک تو ہمارا رب ہے ۔ یہ ایمان کی چنگاری ایسی دبی ہوتی ہے ، جیسا کہ ہیرا یا انگارہ راکھ میں دب جاتا ہے مگر ذرا سی ہوا لگے تو چمک اٹھتا ہے اور انگارہ جلنے لگتا ہے ۔ روس میں مخالف خدا تحریک کا بڑا لیڈر جب مرنے لگا تو اس کے منہ سے بے اختیار خدا کا نام نکلا آج بھی یہ لوگ خدا سے ہٹ کر اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے معبودات باطلہ کی کسی نہ کسی شکل میں پرستش کر رہے ہیں ۔ اور کچھ نہ ہو تو اپنے رہنماؤں اور اپنی تحریک کو انہوں نے خدا اور مذہب جیسا مقام دیا ہوا ہے جس سے وہ اپنی روحانی تشنگی کی تسکین کرنا چاہتے ہیں ۔

مصیبت میں ہر شخص خدا کی طرف لوٹتا ہے | فرعون عمر بھر خدائی کا دعویٰ کرتا رہا مگر جب موت آئی تو آمنت انہ لا الٰہ الا الذی آمنت بہ بنو اسرائیل کہنے لگا کہ میں ایمان لایا اس

رب پر جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے، مگر فرشتہ نے منہ میں کیچڑ ٹھونس دیا کہ اب ایمان لاتا ہے، اس سے قبل تو تو بڑا سرکش اور نافرمان تھا ـــــ پچھلے دنوں ذرا تیز زلزلہ آیا تو ساری سرکشی اور نافرمانی اور ساری ہلچل ختم ہوگئی، ہر شخص پیشانی کے بل زمین پر گر پڑا اور سجدہ میں اللہ کو پکارنے لگا، کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں لوگ خدا کے سامنے گڑگڑا نہ رہے ہوں تو یہ ہے خداوند کریم کا تسلط دلوں پر ـــ اور ہر دہری مرنے کے وقت ایمان لانے لگتا ہے۔ مگر اس وقت کا ایمان لانے لگتا ہے۔ مگر اس وقت کا ایمان فائدہ نہیں دیتا۔ تو خدا کے وجود کا علم ہمیں یوم المیثاق میں دیا گیا، سب کے ارواح نے پکار کر ربوبیت باری تعالیٰ کا اعتراف کیا اب مسلمان تو خوشی اور رضی سے اور کفار اور فساق سختی کے وقت اس کا اعلان کرتے ہیں۔ مگر ایمان خوشی کا معتبر ہوگا، اختیار اور رضی کا موجب نجات ہوگا ـــ تو یہ خدا کی قدرت کاملہ کا ایسا ظہور ہے جس سے انکار کرنا جاہل کا کام ہے ـــ

کائنات کا ہر ذرہ خدا کی تسبیح کرتا ہے۔ یہ جو آیت میں ارشاد ہوا کہ عرش سے یکر فرش تک کائنات کی ہر چیز خدا کی پاکیزگی کرتی ہے کہ خدا ہر عیب سے منزہ ہے اور ہر چیز میں واقعی زندگی ہے اور اس کے مناسب علم بھی ہے۔ کلٌ قد علم صلوٰتہٗ و تسبیحہٗ۔ کائنات کی ہر چیز اپنی نماز اور تسبیح کو جانتی ہے۔ وہ آج کی سائنس اسلام کے دیگر اصولی مسائل کیطرح اس بات کی بھی تائید کر رہی ہے کہ ہر چیز میں ایک خاص قسم کی زندگی ہے۔ نمرود کی آگ کو خدا نے خطاب کیا اسے آگ ابراہیم کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی بن جا۔ بحیرۂ قلزم کو خطاب ہوا کہ پھٹ جا تو، فوراً پھٹ گیا، اگر انہیں ادراک، علم اور زندگی نہ ہوتی تو خدا کا حکم کیسے سنتے۔

اسباب میں تاثیر ڈالنے والی ذات افسوس کہ آج ہماری نظر صرف آلات اور اسباب پر رہ گئی ہے۔ مذہب اور غیبی باتیں دوسرے درجہ پر رکھے ہوئے ہیں۔ خدا کی قسم اگر خدا کی مدد نہ ہو اور صرف آلات و اسباب ہوں تو یہ کچھ بھی کارگر نہ ہو سکیں گے۔ آلات اور اسباب میں تاثیر ڈالنے والی ذات کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہٗ کن فیکون۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جب چاہے کسی چیز کا ہونا تو کہہ دیتا ہے ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے۔

دیوبند کے طالب العلمی کے زمانے میں ایٹم بم اور سائنسی ترقیات کے حالات سن کر کچھ حیرانی سی ہو جاتی تھی کہ اب مسلمان کیسے فتح پائیں گے۔ اسی اثنا میں قیامت سے پہلے

قسطنطنیہ کے فتح ہونے کی حالت پڑھنے کا اتفاق ہوا کہ اللہ اکبر کے ایک نعرہ سے سارا قلعہ گر جائے گا، تو شبہ رفع ہوا کہ مسلمانوں کے پاس ایک ایسی طاقت ہے کہ ایک نعرۂ تکبیر دس لاکھ بموں کا کام دے سکتا ہے۔ اور اس زمانہ میں کیا ان چیزوں کا ظہور نہیں ہو سکتا ۔۔۔؟ ہو سکتا ہے، مگر ایمان کامل کی ضرورت ہے۔

خدا سے کٹ کر ہم ہرگز ترقی نہیں پا سکتے | مسلمانوں کو خدا سے کاٹ کر دیگر قوموں کی صف میں کھڑا کرنے سے ہرگز یہ قوم ترقی نہیں پا سکتی۔ ٹھیک ہے ترقی کرتے رہو مگر دوسری طرف اپنے مقصدِ تخلیق کو مت بھولو۔ ایک طرف فرعون کی ساری طاقت اور ترقی، دوسری طرف حضرت موسیٰ کی ایک لاٹھی نے سمندر میں راستے بنا دیئے۔ سڑکیں بن گئیں، خشک بھی ہو گئیں، دریچے بھی لگ گئے۔ تازہ ہوا اور روشنی بھی آ رہی ہے۔ ایک راستہ والے دوسرے راستہ والوں کو دیکھ بھی سکتے ہیں ۔۔۔ یہ تھی ایک لاٹھی عصائے موسیٰ کی سائنس، اُدھر فرعون کی ساری سائنس اور ترقیاتی منصوبے، ساری قوت، سارا نظام پلک جھپکنے میں ختم ہوا ۔۔۔ الغرض ساری کائنات خدا کی عبادت اور تسبیح میں لگی ہوئی ہے۔ پھر ان عظیم اجرامِ کائنات کے مقابلہ میں ہماری حیثیت کیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے، کہ آسمانوں میں چار انگلیوں کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں جو اللہ کی بندگی میں مشغول فرشتوں سے خالی ہو، سوئی رکھنے کی جگہ نہیں۔ آسمان فرشتوں کی کثرت کی وجہ سے بوجھل ہو رہا ہے۔ اور جو کچھ ان زمینوں میں ہے، ان کا بھی یہی حال ہے۔ کیا یہ کافر بھی خدا کی تابعداری پر تکوینی طور پر مجبور نہیں ہیں ۔۔۔؟ خدا کے حکم سے وہ بیمار ہوتا ہے، مرتا ہے، بچ نہیں سکتا، سر میں درد ہو تو کراہنے لگتا ہے، کھانا نہ دے تو نہیں دے سکتا۔ اسکی موت و حیات، عزت اور ذلت اُسی کے اختیار میں ہے۔ مگر اس کی بدقسمتی ہے کہ کسب و اختیار کے درجہ میں جو چیز تھی اُس کے لئے آمادہ نہیں ہوتا ۔۔۔

صفات کی ترتیب اور باہمی ربط | اَلْمَلِکُ[1] خدا شہنشاہ ہے حاکم ہے۔ القدوس[2] ظلم سے پاک ہے اس جیسی بادشاہت کہیں بھی نہیں۔ مگر اس کی شان ہے کہ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ مقدس اور پاک ہے۔ العزیز[3] غلبہ کا مالک ہے۔ ایک آن بسیط میں یہ ساری کائنات مٹا سکتا ہے۔ سمندر کو حکم دے کہ پٹرول ہو جا، تو بھڑک اٹھے، زمین پگھل جائے۔ آندھی کو حکم دے کہ سارے پہاڑوں کو اٹھا کر دنیا پر پھیلا دے، کوئی اُسے اپنے ارادہ سے روک نہیں

سکتا، الحکیم۔ حکمت والا ہے، اس کا کوئی حکم بغیر حکمت اور فائدہ کے نہیں۔

چار صفات یہاں بیان ہوئیں اور جب وہ ہر عیب سے پاک اور ہر کمال سے متصف ہے تو اس کے قانون، احکام، کلام اور تمام ہدایات میں بھی کوئی عیب اور نقص نہ ہوگا۔

قرآن کو خواہشات کا تابع بنانا آج بدقسمتی سے مسلمان یا تو سرے سے اس کتاب سے بے خبر ہیں اور جو قرآن قرآن کرتے ہیں ان میں سے بھی بعض کا نعرہ ہے کہ ملا کا قرآن چھوڑ دو، گویا مقصد یہ ہے کہ یہ تو خدا کا قرآن ہے اسے چھوڑ دو۔ اپنی خواہشات کے مطابق قرآن گھڑ لو مگر صاف کہہ نہیں سکتے تو ملا پر اپنا غصہ نکالتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ قرآن تو مانیں مگر اس کے احکام نہ مانیں کہ یہ احکام سود، شراب، جوا کی حرمت اس زمانہ میں نہیں چل سکتے، انہیں بدل دو۔ حالات اور ظروف کے سانچہ میں انہیں ڈال دو۔ حالانکہ بدلی جاتی ہے وہ چیز جس میں نقصان ہو۔ جیسے حکیم اور ڈاکٹر کے نسخوں میں ترمیم ہوتی رہتی ہے۔ تو کیا خدا کے کلام میں نقص ہے؟ معاذ اللہ کہ اس میں ترمیم ہو اور ترمیم کا حق بھی ہر ایرے غیرے کو ہو۔ بس جس نے چند روز کسی یہودی یا عیسائی کی شاگردی کی ہو، انگریز سے شرف تلمذ حاصل کر چکا ہو اسے قرآن میں ترمیم کا حق دیا جاوے۔ اور یہ جو باتیں ہیں یہ عہدِ جاہلیت ہی کی نقالی ہے۔ کفار نے حضورؐ سے اس قسم کی خواہشات کا اظہار کیا کہ بعض احکام زمانے کے ساتھ نہیں چل سکتے انہیں ذرا سا بدل دو، خداوند تعالیٰ نے حضورؐ کو فرمایا کہ کہہ دیجئے:

مایکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا مایوحیٰ الیّ	مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں اسی چیز کی پیروی کروں گا جو مجھے وحی ہوتی ہو۔

تبدیلی تو وہ شخص کر سکتا ہے جس کا علم اور قوت اللہ سے زیادہ ہو، صدرِ مملکت یا ڈپٹی کمشنر یا کسی کمشنر کے حکم کو کوئی بھنگی نہیں تبدیل کر سکتا۔ بہر تقدیر بے عیب ذات کا کلام اور دستور بھی بے عیب ہوتا ہے۔ اس لئے اس قرآن کی ہر دفعہ، ہر آیت، اور ہر حکم بے عیب ہے۔ تو اسے تبدیل کرنے کی بجائے زانو تہ کر کے اور سرِ تسلیم خم کر کے اسے مان لو۔ جب وہ الملک ہے، بادشاہ ہے۔ تو کیا ایسا ملک کہیں ہے جہاں بادشاہ ہو اور حکم یا قانون نہ ہو اور جب ہم سب اس کی رعایا ہیں تو ہمارے لئے بھی کوئی قانون ضروری ہے، اور وہ ہے قرآن، اور پھر اتمام حجت کیلئے ساری دنیا کے کونے کونے میں اس آواز اور قانون پہنچانے

کا بھی غیبی انتظام ہو رہا ہے۔ ابتدائی صدیوں میں ایک ایک درس میں ہزاروں دوات قلم گنے جاتے تھے۔ مگر جب آج شوق نہ رہا تو خدا نے ریڈیو، اخبار، ٹیلی ویژن کے ذریعہ اس کے پہنچانے کا انتظام کر دیا کہ وہ القدوس ہے یعنی ظالم نہیں ہے۔ کہ بغیر نوٹس اور آرڈر جاری کئے کسی کو پکڑے اور اگر کوئی کہے کہ میں تو قوت اور طاقت والا ہوں، مجھے قانون ماننے کی کیا ضرورت ہے، قانون کی گرفت سے بچ جاؤں گا۔ تو فرمایا العزیز کہ وہ زبردست قوت والا ہے، اس کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔ سب پر زور آور ہے۔ قوم صالح ثمود عاد فرعون اور ابھی ابھی اس زمانہ کے فرعون امریکہ کو ویٹ نام میں ختم کر دیا۔ سکندر مرزا اور غلام محمد کو ختم کر دیا۔ پھر اگر کوئی کہے کہ ہم تو عرصہ سے بدعملی اور نافرمانی میں مبتلا ہیں، بغاوت کر رہے ہیں، مگر ہمیں تو پکڑا نہیں جاتا۔ تو فرمایا الحکیم وہ حکیم ہے، حکمت کا تقاضا ہے کہ مہلت دی جائے۔ وہ حلیم اور بردبار ہے۔ گرفت میں ڈھیل دیتا ہے۔ بچپن کے بعد جوانی، جوانی کے بعد بڑھاپے اور پھر ہر دم کا موقعہ دیا کہ اب تو قبر کے کنارے پر کھڑے ہو، اب تو کچھ بندگی کر لو ۔۔۔ پس ایسی ذات قدسی صفات کی طرف سے ہے یہ کتاب۔ تو اتنی بڑی نعمت کی بے قدری اور ناشکری کا انجام کیسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

گذشتہ سے پیوستہ

حضرت علامہ شمس الحق افغانی

اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام
پر
ایک اصولی سیاسی نظر

اشتراکیت اور سرمایہ داری ایسے دو نظام ہیں جو مادی تہذیب کے فرزند ناخلف ہیں۔ تاریخی تسلسل کے لحاظ سے چونکہ سرمایہ داری پہلے وجود میں آئی اور اشتراکیت اس کے بعد، لہذا سرمایہ داری مادرِ تہذیب مادی کا بڑا بیٹا ہے، اور اشتراکیت چھوٹا، ناخلف ہم نے اس لئے کہا کہ یہ دونوں ایک ماں سے پیدا ہونے کے باوجود آپس میں برادرانہ سلوک نہیں رکھتے بلکہ آپس میں برسرپیکار ہیں، اور ان کی باہمی جنگ کا سلسلہ اس طرح جاری ہے جس کے ختم ہونے کی امید نہیں اور یہ دونوں فرزند اپنی مادرِ مشفقہ یعنی مادی تہذیب کے حق میں بھی ناخلف ہیں کہ مادی تہذیب جو کچھ مادی راحت و آسائش کا سامان مہیا کرتی ہے اور طویل محنت و مسلسل جدوجہد سے جو کچھ تعمیر کرتی ہے، یہ دونوں فرزند یا ان کی اولاد اور پیروکار عالمگیر جنگ برپا کر کے اس کو بھسم کر دیتے ہیں، اور ماں بیٹوں میں تعمیر و تخریب کی جنگ جاری ہے۔ لیکن تاہنوز ماں اور بیٹوں کی اس جنگ میں قطعی فیصلہ نہ ہو سکا۔ تاہنوز نہ بیٹے پوری طرح تباہ ہوئے اور نہ ماں کا خاتمہ ہوا۔ شاید مستقبل قریب میں مادرِ تہذیب مادی کی اولاد نے جس فیصلہ کن جنگ کے لئے تیاری کی ہے اور ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور میزائیلی نظام سے لیس ہو گئی ہے۔ اس سے آخری فیصلہ ہوگا اور ہمارا اندازہ یہ ہے کہ اس آخری جنگ میں نہ کوئی فاتح ہوگا، نہ مفتوح بلکہ فریقین جنگ دونوں فنا ہو جائیں گے۔ اور مادرِ تہذیب اپنی ناخلف اولاد سمیت فنا ہو کر رہے گی۔ یہ

پیشین گوئی اگرچہ قبل از وقت ہے، لیکن وقت بتادے گا، کہ جو کچھ ہم نے کہا تھا، وہی صحیح نکلا۔ اقبال مرحوم کا بھی یہی اندازہ ہے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

اب تہذیب جدید کی حالتِ نزع اور جان کنی کا وقت ہے۔ لیکن اس قریب الموت تہذیب پر عاشقوں کا اس قدر ہجوم ہے کہ عالم اسلام کا جدید عنصر اس بسترِ مرگ پہ پڑی ہوئی تہذیب کے اپنانے کے لئے سخت بے چین ہے۔ اور اس کے لئے اپنے تمام تاریخی ورثہ کو قربان کرنے کے لئے تیار ہے۔ میرا روئے سخن تہذیبِ جدید کے اپنانے کی طرف ہے نہ کہ ہنرِ جدید کے اپنانے کی طرف کہ وہ خود مسلمانوں کی بقاء کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اور اسلامی تعلیم کے زاویۂ نگاہ سے "سامانِ جہاد" میں شامل ہے۔ جو فرض ہے، لیکن تہذیبِ جدید اور ہنرِ جدید کا فرق ایسا ہے جس کو ہمارا عنصرِ جدید نہیں سمجھتا اور اسکی وجہ سے تقریباً تمام عالم اسلام میں قدیم و جدید کی جنگ جاری ہے۔ اور اسی نامعقول جنگ کا نتیجہ ہے کہ کوئی اسلامی حکومت مضبوط اور پائیدار نہیں۔ کاش! کہ ارباب کالج اور ارباب مدارس ان دو مختصر لفظوں کا مطلب کسی وقت بھی سمجھ جائیں اور دونوں قوتیں ان دونوں مقاصد کے لئے متفق ہو کر کام کریں۔

۱۔ ایک طرف تہذیبِ جدید کی ایک ایک برائی کے خلاف قدیم و جدید علوم کے ماہر متفقہ اقدام کریں۔

۲۔ دوسری طرف دونوں مل کر ہنرِ جدید کی تحصیل کے لئے جدوجہد کریں۔

تاکہ مسلمانوں کی بدقسمتی کا خاتمہ ہو اور جذباتی وجیوانی زندگی سے الگ ہو کر، باہمی جنگ و جدال ختم کر کے دین و عقل کی روشنی میں ہر دو دائرہ کار میں متفقہ اقدام کریں۔ پہلا دائرہ مغربی تہذیب کے خلاف جنگ کا اور دوسرا دائرہ مغربی ہنر کی تحصیل کے لئے جدوجہد کا۔ اگر فریقین ایک دوسرے کی بات سمجھنے کی کوشش کریں تو فکری انتشار اور تضادِ عمل کا فوراً خاتمہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اربابِ اقتدار بھی اسلام کے تہذیبی ورثہ کے تحفظ پہ زور دیتے ہیں۔ حال ہی میں مشرقی پاکستان کے گورنر نے مغربی تہذیب کی مضرت رسانی کا ذکر کرتے ہوئے اسلامی تہذیب و تمدن کے تحفظ پہ زور دیا۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ اس انتشار کی بڑی ذمہ داری اُن چند افراد پر ہے، جو فتنۂ استشراق کے شکار ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فکری و عملی وحدت پیدا نہ ہو۔ اور کسی وقت بھی وہ طاقت در نہ بن

سکیں تاکہ سامراجیوں کا وہ فکری مقصد حاصل ہو جس کے لیئے وہ کروڑوں روپے خرچ کر رہے ہیں
مذکورہ مشورے پر عمل کرنے سے زبان وقلم کی جنگ ختم ہو جائے گی اور ایک ایسا مثالی مضبوط اسلامی
معاشرہ وجود میں آجائے گا جو مادی اسباب ترقی اور روحانی قوت دونوں کا جامع ہو گا۔

مغربی تہذیب کا اسلامی ممالک میں فاتحانہ داخلہ | یہ ایک بڑا اہم سوال ہے کہ مغربی تہذیب
کو اسلامی ممالک میں فاتحانہ کامیابی کیونکر حاصل ہوئی، جس سے اسلام جیسے دینِ فطرت کا چودہ سو
سالہ ورثہ درہم برہم ہو گیا۔ اس کے لیئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اسلامی ثقافت اور تہذیب کو اپنی
پوری تاریخ میں صرف تین معرکے پیش آئے جو بنیادی ہیں۔

اسلام کی ایرانی اور رومی تہذیب سے "ٹکر" | پہلا معرکہ اسلام کی پہلی صدی ہجری میں دنیا کی دو
عظیم الشان تہذیبوں، ایرانی اور رومی سے ٹکر لینے کا معرکہ تھا۔ جس میں اسلامی تہذیب مشرق ومغرب
کی دو عظیم قوتوں اور تہذیبوں سے نبرد آزما ہوئی۔ یعنی ایرانی تہذیب اور رومی تہذیب سے جہاں
تک مادی اسباب کا تعلق ہے، مذکورہ ہر دو قومیں ہر قسم کے سامان سے لیس تھیں۔ لیکن اُن کے
افکار ونظریات اور تہذیبی زندگی میں جان نہ تھی۔ اسلام نے اپنے فرزندوں کو افکار، عقائد واعمال
کا وہ استحکام بخشا تھا۔ جس کا جواب اُن کی حریف قوتوں کے پاس نہ تھا۔ ثقافت دراصل عقائد و
افکار اور سیرت وکردار کی پختگی کا نام ہے جس سے پیدا شدہ جوشِ عمل اور اولوالعزمی کے آگے کوئی
قوم نہیں ٹھہر سکتی، نہ گانے بجانے، رقص وسرود اور عیاشانہ زندگی کا کہ جس سے اس مذکورہ بلند
اوصاف انسانیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور زنانہ پن اور مشقت گریز جذبہ ابھرتا ہے۔ اس ٹکر کا نتیجہ
یہ ہوا کہ اسلامی تہذیب نے ان دونوں تہذیبوں کو شکست دی اور ان کے مقبوضہ علاقوں کو فتح کر
کے اسلامی تہذیب وثقافت کے رنگ میں ان کو ایسا رنگ دیا کہ آج تک کسی نہ کسی صورت میں
وہی اسلامی رنگ باقی ہے۔

اسلامی تہذیب کی تاتاری تہذیب سے "ٹکر" | دوسرا معرکہ ہلاکو اور چنگیز کا حملہ تھا۔ جس نے
اسلامی ثقافت سے ٹکر لی۔ یہ دوسرا معرکہ ایسا تھا کہ اس وقت کے مسلمانوں میں اسلامی ثقافت کے
عمیق اور گہرے اثرات باقی نہیں رہے تھے۔ ایک حد تک علوم تھے لیکن ایمانی قوت کمزور ہو
چکی تھی۔ اسلامی اعمال فسق وفجور اور عیاشی وراحت پسندی کی وجہ سے برائے نام رہ گئے تھے۔
البتہ صرف اسلامی افکار وعلوم اُن میں باقی رہ گئے تھے، جن پہ اُن کا یقین باقی تھا۔ اور بالمقابل ایسی
قوم تھی جو تعلیم یافتہ نہ تھی اور علوم وفنون سے خالی تھی۔ کوئی فکری تہذیب نہ رکھتی تھی۔ لیکن جوشِ عمل

اور اپنے نصب العین پر اس کو پختہ یقین تھا جو اس وقت کے مسلمانوں میں کمزور ہو چکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ وحشی اور غیر تعلیم یافتہ قوم مسلمانوں کی تعلیم یافتہ قوم پر غالب آگئی۔ اور اس نے اسلامی حکومتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ لیکن ایک مضبوط ثقافت کے لیئے جن پختہ عقائد و افکار اور ان سے متعلقہ علوم کی ضرورت تھی وہ تاتاریوں میں نہ تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی تہذیب اور مسلمان قوم اگرچہ بظاہر مفتوح ہوئے لیکن بالآخر فاتح ہوئے۔ تاتاریوں کو جب ان فتوحات کی وجہ سے اسلامی تہذیب اور ثقافت سے روشناسی ہوئی، تو اسلامی تہذیب کے اثر سے ان کے دل و دماغ میں تبدیلی رونما ہونی شروع ہوئی اور کعبہ کو دشمنوں میں سے پاسباں مل گئے۔ تیمور اور اسکی اولاد اور عثمانی ترک اسی قوم کے مختلف خاندان ہیں۔ جنہوں نے دور دراز علاقوں میں اسلام کو پھیلایا اور اسلامی عظمت قائم کی۔

مغربی تہذیب کی اسلامی تہذیب سے ٹکر تیسرا معرکہ جو اسلام کو پیش آیا۔ وہ مغربی ثقافت اور تہذیب کا مقابلہ ہے۔ جو انیسویں صدی عیسوی سے شروع ہو کر اب تک جاری ہے۔ یہ اسلامی تاریخ میں سب سے شدید تر مقابلہ ہے۔ مغربی تہذیب نام ہے ان افکار و تصورات کا جن کو پوری دنیا میں اہل مغرب پھیلا رہے ہیں۔ اور زندگی کے بود و ماند کے ان طریقوں کا جو ان کی عملی زندگی میں موجود ہیں یہ تہذیب عقلی معیار کے اعتبار سے چاہے جس قدر بھی ناموزوں ہو۔ لیکن اس کی پشت پر ایک عظیم سیاسی قوت ہے۔ اور تعلیم کا ایک وسیع نظام ہے۔ تصنیفات و تحریرات کے بیشمار ذخائر ہیں۔ تصاویر اور فلمی دنیا کا ایک ہمہ گیر جال ہے۔ معاشی اور اقتصادی برتری ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جو ظاہر بین طبقہ کی نگاہ کو خیرہ کرنیوالی ہیں اور اس تہذیب کے علمبرداروں نے خود مسلمانوں کے نژاد نو میں ایک بڑی با اثر اور با اقتدار جماعت تیار کی ہے۔ جو اسلامی تہذیب کو فنا کرنے میں خود اہل مغرب سے زیادہ سرگرم عمل ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلام کے نو آزاد ممالک میں مغربی افکار و تہذیب اور اسلامی تہذیب و افکار کے درمیان مسلسل جنگ جاری ہے۔ اور کسی اسلامی ملک کو استحکام نصیب نہیں ہوتا۔ ہر روز نئے نئے انقلاب پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور بظاہر اس جنگ کا خاتمہ نظر نہیں آتا۔ تاوقتیکہ فریقین جذبات چھوڑ کر متفقہ طور پر تدبر اور عمیق بصیرت سے کام لے کر اس کا صحیح حل تلاش نہ کریں دونوں جانب افراط و تفریط ہے، اور راہ اعتدال گم ہے۔ لیکن تعلیم قدیم کے ارباب تحقیق میں صاحب اعتدال کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ لیکن تعلیم جدید والوں میں بہت کم ہیں۔ بلکہ نایاب ہیں۔ یہ بے راہ روی ملت اسلام کے لئے

زہر قاتل ہیں۔ استعماری قوتوں کے لئے مفید ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس جنگ سے مسلمان کمزور ہو کر استعماری قوتوں کے زیر اثر آجائیں گے اور مسلمانوں کے پاس مادی قوت تو مقابلۃً کم ہے۔ جو کچھ ہے وہ ان کی دینی و روحانی قوت ہے، اس جنگ سے وہ بھی کمزور ہو جائے گی اور مسلمان استعماری قوتوں کے لئے لقمۂ تر بن جائیں گے۔

قدیم و جدید کی کشمکش کا اصلی حل | اصلی حل کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں طبقے اپنے ذہن میں کچھ تبدیلی پیدا کریں۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ تقلید مغرب کے جذبے سے ہٹ کر عقل و بصیرت سے کام لے کر تنقیدِ مغرب کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرے اور اصلی اسلام کی تحریف کو چھوڑ کر تحقیق کی راہ اختیار کرے۔ اور اسلام کو دشمنانِ اسلام کی تحریروں سے حاصل کرنے کی بجائے اگر ممکن ہو تو خود اس انداز میں اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرے کہ خود اسلام کیا کہتا ہے اور کیا مطالبہ کرتا ہے اس طرح نہ ہو کہ پہلے خود مغربی افکار کے اثر سے اپنے ذہن میں ایک رائے ٹھہرائی جائے اور پھر اسلام کو توڑ مروڑ کر اس کے مطابق کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور اگر وہ مغربی فکر کی ٹھہرائی ہوئی رائے کے مطابق بننے کے لئے تیار نہ ہو تو پھر یا تو تاویل کے پردے میں اصلی اسلام سے انکار کی راہ اختیار کی جانے یا اسلام کے ابدی دین ہونے کی حیثیت سے انکار کر کے اس کو وقتی قانون قرار دینے کی سعی کی جائے۔ اور اسلام کے چودہ سو سالہ کے علمی اور خارجی وجوہ کو جس کا تانا بانا ان ہستیوں کے علم و تقویٰ اور مجاہدانہ کارناموں سے بنا ہے کہ ان کا ایک ایک فرد اور اسکی عظمت چند مغرب پرستوں پر کیا بلکہ پورے اہل مغرب پر بھاری ہے۔ اور ایسی کروڑوں عظیم ہستیوں کا سمجھایا ہوا، اسلام جس کے نتیجہ میں اسلام نے مراکش سے انڈونیشیا اور دیوارِ چین تک کی ظلمتوں کو کافور کر کے اپنی روشنی پھیلائی غلط سمجھ لیا جائے۔ اور اس کے مقابل میں چودہ سو سال کے بعد چند مغرب زدہ مسٹروں نے دشمنانِ اسلام سے تعلیم پاکر صحیح اسلام معلوم کر لیا۔ جو قبل ازیں چودہ سو سال میں کہیں بھی موجود نہ تھا۔ میں حیران ہوں کہ اگر مغرب جو حالت نزاع میں ہے۔ اپنی تہذیب اور اس کے لوازمات کے ساتھ ہائیڈروجن کے طوفان فنا میں غرق ہو جائے اور ایک نیا تمدن اور نئی تہذیب پیدا ہو جائے، جو مغربی تہذیب سے یکسر مختلف ہو۔ تو یہ حضرات اپنے تحریفی عمل سے اپنی سابق تحریفات اور کارروائیوں پر خطِ تنسیخ کھینچیں گے یا اسلام کو دوسری تحریف کے لئے بازیچۂ اطفال بنا دیں گے۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم[1] بے توفیق (اقبالؒ)

[1] حرمِ مغرب

قدیم تعلیم یافتہ طبقہ میں جو حقیقی علماء ہیں ان میں تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے، جدید تعلیم یافتہ طبقہ بدگمانی چھوڑ کر ان سے اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ نہ اس لئے کہ حقیقی اسلام کا فہم ان کا ٹھیکہ ہے، کیونکہ اسلام میں برہمنیت اور پاپائیت کا وجود نہیں کہ یہ دونوں نسلی نظریئے ہیں۔ اور اسلام ان کا قائل نہیں بلکہ اس لئے کہ ہر فن کے لئے معیاری قابلیت کا وجود ضروری ہے جو قدیم طبقے کے پاس ہے اور جدید کے پاس نہیں۔ لہٰذا دونوں طبقوں کے ممتاز حضرات بیٹھ کر اس امر کی تحقیق کریں کہ یورپ کے پاس جو کچھ ہے ان میں سے اسباب ترقی کی کونسی چیزیں ہیں۔ اور جو چیزیں ترقی سے تعلق نہیں رکھتیں۔ اور اسلامی روح کے لئے مضر ہیں، وہ کونسی ہیں۔؟ اور جو ترقی سے غیر متعلق ہیں لیکن مباح ہیں وہ کونسی ہیں۔؟ اسطرح تین قسم کی اشیاء کی فہرستیں تیار ہونگی۔

۱۔ ترقی سے متعلق اشیاء۔

۲۔ ترقی سے غیر متعلق اشیاء ممنوعہ۔

۳۔ ترقی سے غیر متعلق اشیاء جو مباح ہیں۔

میں نے "ترقی اور اسلام" کے موضوع پر جو کتاب لکھی ہے، اس کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ یورپ کے پاس اسباب ترقی میں سے ایک چیز بھی ایسی نہیں جس کا اسلام نے اور قرآن نے چودہ سو سال پہلے حکم نہ دیا ہو۔ اس لئے مغرب زدہ طبقے کا یہ کہنا کہ اسلام ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ یہ کہنا کہ ہم مغربیت کو ترقی کے لئے اختیار کر رہے ہیں۔ ایسا غلط اور بے اصل دعوٰی ہے۔ جیسے "دو دُونے پانچ" اس لئے ترقی کے لئے پرانے اسلام کی تحریف کی قطعاً ضرورت نہیں اور نہ یورپی اسلام بنانے کی حاجت ہے۔ بلکہ اسی اصلی اسلام کو فروغ دینے کی ضرورت ہے تاکہ مادی اسباب کے ساتھ روحانی جوش عمل اور اولعزمی ملت میں پیدا ہو۔ اور غیر مسلم ممالک سے درآمد کردہ نظریات سرمایہ داری، سود خواری، صنفی آوارگی، اخلاق کش طرز معاشرت، اشتراکیت، خدا بیزاری اور روحانی اقدار کی تباہی سے ملت کو محفوظ کیا جائے اور بے راہ روی اور انتشار انکی وحدت فکر و عمل کو پارہ پارہ نہ کر دے۔

دوسری قسم کی چیزیں جو یورپ کے وہ اجزاء تہذیب ہیں، جن کا تعلق ترقی سے نہیں بلکہ اسلام اور حقیقی ترقی کے لئے مضر ہیں۔ ان کو اسلامی ممالک اپنی تہذیب میں سے خارج کرنے کے لئے جہاد کریں۔

اور تیسری قسم جو ترقی سے اگرچہ متعلق نہیں لیکن اسلام میں مباح ہیں، ان کو اختیار کرنے

کی اجازت ہے۔ اس مشترکہ تحقیق کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم کو یورپ کی گناہگاری کو جو ترقی کے لئے مضر ہے، ترک کرنا پڑے گا۔ اور ان کی صنعتکاری کو جو ترقی میں موثر ہے اپنانا ہوگا کہ اس کا حکم تو خود قرآن نے دیا ہے۔ "واعدوا لهم ما استطعتم من قوة" ایسی اشیاء کہ جن سے مسلمان طاقتور بن سکتے ہیں۔ جیسے یورپ کے ٹیکنیکل علوم وفنون، ان کو حاصل کرنا مسلمانوں پر اپنی طاقت کی آخری حد تک فرض ہے۔ اگر اقبال مرحوم کے صرف اس کلام کو مدنظر رکھا جائے تو بھی جدید وقدیم کی جنگ ختم ہو سکتی ہے۔

قوت مغرب نہ از چنگ ورباب — نے ز رقص دختران بے حجاب
نے ز سحر ساحران لالہ روست — نے ز عریاں ساق ونے از قطع موست
محکمی او را نہ از لادینی است — نہ فروغش از خط لاطینی است
قوت افرنگ از علم وفن است — از ہمیں آتش چراغش روشن است

افسوس ہے کہ ہم نے جدید ایجادات کا نہ تو کوئی قابل ذکر سائنس دان پیدا کیا۔ نہ یورپ کی طرح اسلحہ ساز کارخانے بنائے، نہ کوئی مشہور فلسفی اور نہ کوئی ماہر پیدا کیا۔ ہماری ساری قوت تحریف دین اور قدیم وجدید کی جنگ پر صرف ہو رہی ہے۔ اور یورپ کے صنعت وہنر کی جگہ یورپ کی گناہگارانہ تہذیب کو جزو زندگی بنانے کی کوشش ہے اور اسی کو ہم اپنی ترقی سمجھ رہے ہیں ۔۔۔ بہرحال اگر بیرونی ممالک کی تعلیم اس شکل میں حاصل کی جائے کہ وہاں سے وہ علوم جن کو فی الواقع ترقی میں دخل ہے۔ ان میں مہارت پیدا کی جائے۔ لیکن ان کے الحادی اور تشکیکی فلسفہ حیات سے پرہیز کی جائے تو قوم روحانی اور مادی قوتوں سے بہرہ ور ہوگی۔ ہم اگر مادی علوم میں کتنی بھی کوشش کریں پھر بھی یورپ کی نسبت ان علوم میں ہماری حیثیت ثانوی ہو گی، لیکن اگر ہمارا دینی اور روحانی جذبہ محفوظ رہے۔ بلکہ اس میں اضافہ کرنے کی کوشش کریں تو مادی پہلو کی جو ناگزیر کمی ہے، اس کا تدارک ہمارے روحانی جذبہ کی قوت سے ہو جائے گا۔ اور ہم اپنے اسلاف کی طرح اپنی کمزور مادی قوت اور فائق روحانی اور اخلاقی قوت سے اپنے سے بڑی مادی قوت کو شکست دے سکیں گے۔ جیسے ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہم نے محض ایمانی قوت کے بل بوتے پر اپنے سے فائق تر مادی قوت رکھنے والے ملک بھارت کو شکست دی۔ لیکن اگر ہم ایک طرف مادی قوت میں بھی کمزور رہے اور دوسری طرف یورپ کے ملحدانہ افکار اور اشتراکیت کے ایمان سوز نظریات نے ہماری رہی سہی ایمانی قوت کو بھی کمزور کر دیا۔ تو اس قوت

پاکستان کی حفاظت کس چیز سے ہوگی۔ بالخصوص جب کہ پاکستانی علاقوں کو انتشار سے بچانے کے لئے واحد ذریعہ صرف اسلام ہے۔

اسلامی وحدت | نہ صرف پاکستان بلکہ تمام مسلمان مملکتوں کی حیات وترقی اور حفاظت کا راز بھی اسلامی بلاک کے قیام میں مضمر ہے۔ اگر امریکہ کی موجودہ شکل میں وہاں کی تقریباً پچاس ریاستوں کا اتحاد ہوسکتا ہے اور سوویٹ یونین کی شکل میں تقریباً بائیس ریاستوں کی متحدہ قوت بن سکتی ہے۔ اور دولت مشترکہ کے تحت سات آٹھ حکومتیں باوجود تہذیبی، مذہبی، علاقائی اور نسلی اختلافات رکھنے کے ایک "دولتِ مشترکہ" کی تنظیم میں آسکتی ہیں، تو تمام ممالک اسلامیہ جن میں دینی، تہذیبی اور تاریخی اسباب وحدت موجود ہیں اور زمانہ سابق میں ایک اسلامی حکومت (خلافت) کی وحدت سے منسلک بھی رہے ہیں۔ کیا ان کی یونین یا دولت مشترکہ کا بن جانا ناممکن ہے۔ جبکہ ان میں بہت بڑی حد تک جغرافیائی اتصال بھی ہے۔ اگر مسلمانوں نے زمانے کے انقلابات سے سبق سیکھ لیا اور یہ وحدت قائم ہوگئی، جس میں اندرونی طور پر تمام ممالک آزاد ہوں اور تبدریج امور خارجہ، دفاع، نصاب تعلیم، قانون، تجارت اور اسلامی اصولوں پر مشترکہ بنک جیسے امور اپنے آپ کو ایک مرکزی قوت سے منسلک کردیں تو یہ اسلامی یونین تمام عالمی قوتوں میں اول نمبر کی قوت بن جائے گی۔ اور عالمی امور میں اس کی رائے فیصلہ کن ہوگی اور ان ممالک کے تمام مصائب کا خاتمہ ہوجائے گا۔ بلکہ مغربی اور مشرقی بلاک کے تصادم اور تباہ کن جنگ کو روکنے اور امن عالم قائم کرنے میں یہ ایک مؤثر قوت ثابت ہوگی جسکی بڑی دلیل عالمی اعداد میں۔

قوت کی پہلی چیز عددی برتری ہے۔ روزنامہ کوہستان ۲۰ دسمبر ۱۹۶۵ء کی رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کی عالمی تعداد ۹۵ کروڑ اور ایک ارب کے درمیان ہے۔ لیکن عیسائیوں کی صحیح اصلی تعداد پورے عالم میں ۷۵ کروڑ ہے۔ کینوشش مت جو حکمراں چین کا مذہب ہے، اسکی تعداد ۳۶ کروڑ، شنٹو مت جو جاپانی حکمرانوں کا مذہب ہے، اسکی تعداد ۵ کروڑ، بدھ مت کے پیراؤں کی تعداد ۱۵ کروڑ۔ ہندو بشمول اچھوت کی اصلی تعداد ۲۸ کروڑ (دیکھئے "مذاہبِ عالم" احمد عبداللہ مسدوسی)

دوسری چیز رقبہ ہے۔ دنیا کا کل رقبہ تقریباً ۱۳ کروڑ مربع میل ہے جس میں ۴۳ فیصد پر اہل اسلام کا قبضہ ہے اور باقی میں سب مذاہب شریک ہیں۔

تیسری چیز پٹرول ہے۔ روس میں پٹرول کی پیداوار تین کروڑ ٹن، یورپ میں دس لاکھ ٹن اور خرچ ۱۱ کروڑ ۳۰ لاکھ ٹن، امریکہ کا تیل عالمی پیداوار کا ۱۵ فیصد۔ روس وچین کا دس فیصد، اور

مشرق وسطیٰ کا ۰۰ فیصد عالمی پیداوار کا ہے۔ (نوائے وقت ۱۴ر اپریل ۱۹۶۸ء)

اگر مشرق وسطیٰ کا تیل بند ہو جائے تو پورا عالمی نظام درہم برہم ہو جائے گا یہی راز ہے کہ غیر مسلم اقوام سر توڑ کوشش کرتی ہیں کہ عالم اسلام متحد نہ ہونے پائے۔ خود عرب کا حال دیکھئے کہیں دشمن قومیں ان میں قومیت کا جذبہ انتشار پیدا کرنے کے لئے ابھارتی ہیں اور کہیں اسلام دشمنی کے باوجود اسلامی ممالک میں علاقائی تہذیبوں کو زندہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ اسلام سے ان کے ربط کو پرانی تہذیبوں کے بت کے ذریعہ ختم کیا جائے۔

اب عالم اسلام کا فرض ہے کہ ان باتوں میں غور کریں ہم نے تنگ وقت میں صرف مختصر سا خاکہ پیش کیا جس پر اہل نظر غور کریں۔

چوں گہر در رشتہ او سفتہ شو
ورنہ مانندِ غبار آشفتہ شو

(باقی آئندہ)

"معوراہ سے آگے .... چین کی، اور ساری پریشانیاں سکون و عافیت کی سیڑھیاں بن جاتی ہیں فطرت کے ان لامحدود مطالبوں کے استعمال کی صحیح قدرتی راہ یہی ہے، ان مطالبوں کو ہمارے اندر بھرنے والے نے اسی استعمال کے لئے بھرا تھا۔ پھر جو ہاتھ سے پاؤں کا، اور پاؤں سے ہاتھ کا کام لے کر دکھ اور اذیت محسوس کرتا ہے۔ اس کا الزام استعمال کے غلط طریقوں کو اختیار کرنے والوں پر ہے، نہ کہ اس پر جس نے ہاتھ اور پاؤں کی نعمتوں سے ہمیں سرفراز فرمایا ہے۔ مذہب اسی امالہ کا ذریعہ اور صحیح آسمانی مشورہ ہے۔ یوں تو یہ بالکل ایک واضح اور کھلی ہوئی بات ہے۔ لیکن بدیہات پر بھی کبھی تنبیہہ کی جاتی ہے۔ قرآن پڑھئے، ان تنبیہوں کے اشارے بھی اس میں آپ کو ملیں گے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب ۔ ماموں کانجن
جامعہ رشیدیہ ساہیوال

"رؤیت ہلال کا مسئلہ" کے عنوان سے مولانا محمد جعفر پھلواری کا ایک مضمون اپریل ۱۹۶۷ء کے ماہنامہ "ثقافت" لاہور میں چھپا تھا، جسے اب ابتدائی نوٹ کے اضافے کے ساتھ "ادارۂ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور" نے کتابچے کی شکل میں "رویت ہلال" کے نام سے شائع کیا ہے۔ سطور ذیل میں "رویت ہلال" کی وضاحت اور مولانا موصوف کے خیالات کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

★

موصوف کے اس کتابچہ کا موضوع یہ بتانا ہے کہ "رویت ہلال کا حکم فن فلکیات پر اعتماد کرنے سے بھی پورا ہو سکتا ہے۔" موصوف نے اپنی بحث کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی سے کیا ہے :

صوموالرؤیتہ وافطروالرؤیتہ فان غُمّ علیکم فاقدروا لہٗ	چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار (عید) کرو، اگر مطلع غبار آلود ہو تو اس کا اندازہ کر لو۔

(رواہ الستۃ الا الترمذی)

...

موصوف کا خیال ہے کہ "یہاں اگر "رویت" کے معنیٰ کی وضاحت ہو جائے تو مسئلہ بڑی حد تک صاف ہو سکتا ہے۔" چنانچہ وہ المنجد، اقرب الموارد، البستان، القاموس، لسان العرب، منتہی الارب، اور مفردات راغب وغیرہ کے حوالوں سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ : "اس میں شک نہیں کہ رؤیت کے حقیقی معنیٰ چشمِ سر ہی سے دیکھنے کے ہیں، لیکن دوسرے مجازی معنوں میں بھی اس کا استعمال

کثرت سے ہوا ہے ۔۔۔۔۔۔ اس لئے گویا رؤیت کے معنی ہیں علم ہو جانا۔ چنانچہ کوئی تیس چالیس جگہ قرآن میں بھی لفظ رؤیت استعمال حقیقی معنی کے علاوہ مجازی معنوں میں ہوا ہے۔" اس فاضل مؤلف کے نزدیک "رؤیت ہلال کو چشم سر کے ساتھ مخصوص کر دینے کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوتی" بلکہ ان رائے میں "فن فلکیات پر اعتماد کر کے بھی وہ اپنا ایمان بالکل محفوظ کر سکتے ہیں"

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے، کہ اگر رؤیت ہلال کو چشم سر کے ساتھ مخصوص کر دینا موصوف کے نزدیک "غیر معقول" ہے، تو کیا یہ طرز فکر معقول کہلائے گا کہ ایک شخص لغت کی کتابیں کھول کر بیٹھ جائے، اور یہ دعویٰ کرے کہ چونکہ فلاں لفظ حقیقی معنی کے علاوہ متعدد مجازی معنوں کے لئے بھی آتا ہے۔ اس لئے عرفاً وشرعاً اس کے جو حقیقی معنیٰ مراد لئے جاتے ہیں وہ صحیح نہیں بلکہ غیر معقول ہیں مثلاً "ضرب" کا لفظ لغت کے مطابق کوئی پچاس ساٹھ معنوں کے لئے آتا ہے۔ اس لئے ضرب زید عمرواً کے جملے سے عرف عام میں جو معنی لئے جاتے ہیں (یعنی زید نے عمرو کو مارا) وہ غیر معقول اور غلط ہیں۔ کیا اسے عقلمندانہ طرز استدلال کہا جا سکتا ہے۔؟ اور کیا یہ انداز فکر اور طرز استدلال اہم ترین مسائل کے صحیح حل کی طرف راہنمائی کر سکتا ہے؟ اس بات سے کس کو انکار ہے کہ رؤیت کا لفظ حقیقی معنیٰ کے علاوہ مختلف قرائن کی مدد سے دوسرے مجازی معنوں میں بھی کبھی بولا جاتا ہے مگر رؤیت ہلال کی احادیث میں یہ لفظ کس معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، اس کے لئے لغت کی کتابوں کا بوجھ لادنے کی بجائے سب سے پہلے تو اس سلسلہ کی تمام احادیث کو سامنے رکھ کر یہ دیکھنا چاہئے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کس سیاق میں کس معنی کے لئے استعمال فرمایا ہے، پھر یہ دیکھنا تھا کہ صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین نے اس سے کون سے معنیٰ سمجھے ہیں امت اسلامیہ نے قرناً بعد قرنٍ اس سے کیا مراد لی ہے۔ اور عرف عام میں "چاند دیکھنے" کے کیا معنیٰ سمجھے جاتے ہیں ــــــ؟

لغت سے استفادہ کوئی شجرۂ ممنوعہ نہیں، بلکہ بڑی اچھی بات ہے۔ کسی زبان کی مشکلات میں لغت ہی سے مدد لی جاتی ہے اور کسی غیر معروف لفظ کی تحقیق کے لئے ہر شخص کو ہر وقت ڈکشنری کھولنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن جو الفاظ ہر عام وخاص کی زبان پر ہوں، ان کے معنیٰ عامی سے عامی شخص بھی جانتا ہو۔ اور روزمرہ کی بول چال میں لوگ سینکڑوں بار انہیں استعمال کرتے ہوں، ان کے لئے ڈکشنری کے حوالے تلاش کرنا کوئی مفید کام نہیں، بلکہ شاید اہل عقل کے نزدیک اسے لایعنی مشغلہ، بے سود کاوش اور ایک لغو حرکت کا نام دیا جائے، اور اگر کوئی دانشمند لغت بینی

کے نشہ میں لغت کے مجازی معنوں کی منطق سے شرعی اور عرفی معنوں کو غیر معقول قرار دینے لگے اس کے لئے ڈکشنری میں جو لفظ وضع کیا گیا ہے، اس سے سب واقف ہیں۔

تاہم اگر رؤیت جیسے معروف اور بدیہی لفظ کے لئے "کتاب کھولنے" کی ضرورت و افادیت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اسکی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے کہ "رؤیت کا سَت"[1] نکالتے وقت فاضل مؤلف نے لغت سے بھی صحیح استفادہ نہیں کیا، نہ ان قواعد کو ملحوظ رکھنا ضروری سمجھا جو ائمہ لغت نے "رؤیت" کے مواقع استعمال کے سلسلہ میں ذکر کئے ہیں۔ جب کہ وہ ان ہی کتابوں میں موجود ہیں جن کا حوالہ موصوف نے دیا ہے، مثلاً لفظ "رویت" مفعولِ واحد کی طرف متعدی ہو تو وہاں عینی رؤیت یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھنا مراد ہوتا ہے۔ اور جب دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو تو اس کے معنی ہوں گے جاننا، معلوم کرنا۔[2]

یا یہ کہ رؤیت کا متعلق کوئی محسوس اور شاہد چیز ہو تو وہاں حسّی رؤیت مراد ہوگی، یعنی چشم سر دیکھنا، اور جب اس کا متعلق کوئی سامنے کی چیز نہ ہو تو وہاں وہمی، خیالی، یا عقلی رویت مراد ہوگی[3]

یا یہ کہ " ر ۔ ا ۔ ی "کے مادہ سے مصدر جب "رویۃ" آئے تو اس کے معنی ہوں گے۔ آنکھوں سے دیکھنا، اور اگر "رأی" آئے تو اس کے معنیٰ ہوں گے۔ "دل سے دیکھنا اور جاننا

---

[1] موصوف نے لغت کی مدد سے رؤیت کا سَت یہ نکالا ہے: "گویا رؤیت کے معنیٰ ہیں علم ہو جانا۔" گویا اہل لغت نے اس کے معانی اور ان کے مواقع استعمال کے تفصیلی بیان کی جو سر دردی مول لی ہے، وہ سب فضلہ ہے، خلاصہ، مغز اور سَت صرف اتنا برآمد ہوا کہ: "رویت کے معنیٰ ہیں علم ہو جانا۔"

[2] الرؤیۃ بالعین تتعدیٰ الیٰ مفعولٍ واحدٍ وبمعنیٰ العلم تتعدیٰ الیٰ مفعولین ——— (الصحاح للجوھری ص ۲۳۴/۲، تاج العروس للزبیدی ص ۱۳۹/۱۰، لسان العرب لابن منظور الافریقی مادہ رأی) رؤیت: دیدن بچشم، واین متعدی بیک مفعول است، ودانستن، واین متعدی بدو مفعول (منتہی الارب ص ۶۲۲ عبدالرحیم بن عبدالکریم صفی پوری) رأی، رؤیت: دیدن بچشم متعد الی مفعولٍ، ودانستن متعد الی مفعولین (الصراح من الصحاح ص ۵۵۹: ابو الفضل محمد بن عمر الجمال القرشی)

[3] ملاحظہ ہو امام راغب اصفہانی کی المفردات فی غریب القرآن۔ ذالک اضربٌ بحسب قوی النفس الاول بالحاسۃ وما یجری مجراھا۔ الخ۔ یہ عبارت فاضل مؤلف نے بھی نقل کی ہے۔ مگر شاید عجلت میں اسے سمجھنے یا اس تفصیل کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اور اگر رؤیا آئے تو عموماً اس کے معنیٰ ہوں گے خواب میں دیکھنا اور کبھی بیداری کی آنکھوں سے دیکھنا۔[1] ممکن ہے مواقع استعمال کے یہ قواعد کلیہ نہ ہو، لیکن عربیت کا صحیح ذوق شاہد ہے، کہ یہ اکثر و بیشتر صحیح ہیں۔ یوں بھی فنی قواعد عموماً کلی نہیں، اکثری ہی ہوتے ہیں۔ ان تینوں قواعد کے مطابق "رؤیت ہلال" کے معنیٰ سر کی آنکھوں سے چاند دیکھنا بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن ائمہ لغت نے حقیقی اور مجازی معنوں کو الگ الگ ذکر کرنے کا التزام کیا ہے، انہوں نے رویت ہلال کو حقیقی معنیٰ یعنی چشم سر سے دیکھنے کے تحت درج کیا ہے۔[2] اسی طرح جن حضرات نے "فروق الفاظ" کا اہتمام کیا ہے انہوں نے تصریح کی ہے کہ رویت ہلال اور تبصر کے معنیٰ ہیں چاند دیکھنے کے لئے افق ہلال کیطرف نظر اٹھا کر دیکھنا۔[3]

فاضل مؤلف کے علم و بصیرت کے پیش نظر ان کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جا سکتی کہ یہ تمام امور ان کی نظر سے نہیں گذرے ہوں گے یا کہ وہ ائمہ لغت کی صحیح مراد سمجھنے سے قاصر رہے ہوں گے۔ مگر حیرت ہے کہ موصوف ان تمام چیزوں سے آنکھیں بند کر کے اس ادھوری بات کو لے اڑے کہ: "رویت کا لفظ چونکہ متعدد معانی کے لئے آتا ہے، لہذا رویت ہلال کو چشم سر سے مخصوص کر دینا غیر معقول ہے۔" جو حضرات کسی موضوع پر تحقیق کے لئے قلم اٹھائیں اور اتنے بڑے پندار کے ساتھ کہ "ہم کسی رائے کو، خواہ وہ اپنی ہو یا قدمائے اہل علم کی، حرف آخر نہیں سمجھتے"۔ ان کی طرف سے کم نظری، تساہل پسندی، یا پھر مطلب پرستی کا یہ مظاہرہ بڑا ہی افسوسناک اور تکلیف دہ ہے، جب "رویت" جیسے بدیہی اور "چشم دید" امور میں ہمارے نئے محققین کا یہ حال ہو تو علمی، نظری اور پیچیدہ مباحث میں ان سے دقیقہ رسی، بالغ نظری اور اصابت رائے کی توقع ہی عبث ہے۔

یہ تو خیر ائمہ لغت کی تصریحات تھیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ خود ماہرین فلکیات جن کے قول پر اعتماد کرنا فاضل مؤلف کے نزدیک حفاظت ایمان کا ذریعہ ہے، ان کے یہاں بھی رویت ہلال

---

[1] [2] رأى: رأيته بعيني رؤية، ورأيته في المنام رؤيا، ورأيته رأي العين، وأرأيته ارائة، ورأيت الهلال، وترائينا الهلال...... ومن المجاز: فلان يرى لفلان رأيا (اساس البلاغة ص ۳۱۱: لجار الله ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشري)

[3] فان نظر الى افق الهلال لليلته ليراه قيل تبصّر۔ (فقه اللغة ص ۱۰۲: للامام ابو منصور عبد الملك بن محمد الثعالبي)

کے معنی سر کی آنکھوں سے دیکھنا ہی آتے ہیں۔ مزید یہ کہ ان کے یہاں اس رویت کے دو درجے ہیں، طبعی، ارادی۔ اگر ہلال، افق سے اتنی بلندی پر ہو کہ وہ بلا تکلیف دیکھا جا سکے اسے وہ "طبعی رویت" قرار دیتے ہیں، اور اگر اتنی بلندی پر نہ ہو بلکہ اتنا نیچے اور باریک ہو کہ اعلیٰ قسم کی دوربینوں کے بغیر اس کا دیکھنا ممکن نہ ہو اسے "رویت ارادی" کا نام دیا جاتا ہے، فلکیات کی تصریح کے مطابق قابل اعتبار طبعی رؤیت ہے نہ کہ ارادی [1]

اور حضرات فقہائے کرامؒ جو شریعت اسلامیہ کے حقیقی ترجمان ہیں، وہ بھی اسی پر متفق ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد، صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ میں رؤیت حسی یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھنا ہی مراد ہے [2] اور اسی پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ [3]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ "رویت ہلال" کے معنی سر کی آنکھوں سے دیکھنا قطعی طور پر متعین ہیں، اس میں کسی قسم کے شک وشبہ اور تردد کی گنجائش نہیں۔ یہی معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے آج تک لئے جاتے رہے ہیں، یہی ائمہ لغت کی تصریحات سے میل کھاتے ہیں، یہی فلکیات کی اصطلاح کے مطابق ہیں۔ یہی معنی مزاج شناسان نبوت فقہائے کرام نے حدیث سے سمجھے ہیں، اور چودہ صدیوں کی امت مسلمہ بھی اسی پر متفق ہے، مگر فاضل مؤلف کے کمال کی داد دیجئے کہ وہ ڈکشنری کی ناقص، ادھوری اور ہلکی پھلکی سے آسمان وزمین کی ہر چیز کو اڑا

---

[1] مراد از رؤیت طبعی است، نہ ارادی کہ بتوسط منظارہائے جیدہ بہبیند، چہ دریں حالت ہلال قبل از آنکہ بحد رؤیت رسیدہ باشد، دیدہ مے شود (زیج بہادر خانی باب ہفتم در "رویت ہلال" صہ ۵۵۶ طبع بنارس ۱۸۵۰ء بحوالہ سہ ماہی مجلہ، جامعہ اسلامیہ بہاول پور، اپریل ۱۹۶۸ء صہ ۵۱، مقالہ مولانا عبدالرشید نعمانی۔)

[2] بدایۃ المجتہد: لابن رشد القرطبی فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد اوجب الصوم والفطر للرؤیۃ والرؤیۃ انما یکون بالحس، ولولا الاجماع علی الصیام بالخبر علی الرؤیۃ لبعد وجوب الصوم بالخبر بظاہر ھذا الحدیث۔ صہ ۲۸۵

[3] احکام القرآن: لابی بکر الجصاص الرازی۔ قال ابوبکر: قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ "صوموا لرؤیتہ" موافق لقولہ تعالیٰ: یسئلونک عن الاھلۃ، قل ھی مواقیت للناس والحج۔" واتفق المسلمون علی ان معنی الآیۃ والخبر فی اعتبار رؤیۃ الھلال فی صوم رمضان، فدل ذالک علی ان رؤیۃ الھلال ھی شہود الشہر (ص ۲۰۱ ج ۱ - طبع ۱۳۳۵ھ)

دینا چاہتے ہیں۔ کاش! فاضل مؤلف سے یہ عرض کیا جا سکتا۔ طنز و تشنیع کے طور پر نہیں بلکہ محض دینی خیر خواہی، اسلامی اخوت اور اخلاص کے طور پر ـــــ کہ آپ نے اس مقام پر جو آسان راستہ اختیار کیا ہے یعنی لغت کھول کر کسی لفظ کے متعدد معانی نکالو۔ اور پھر بلا تکلف اس لفظ کے شرعی معنیٰ کو مشکوک کر ڈالو ـــــ یہ راستہ جتنا آسان اور مختصر ہے اس سے کہیں زیادہ پُر خطر بھی ہے، کیونکہ یہ تحقیق و اجتہاد کی طرف نہیں بلکہ ـــــ گستاخی معاف ـــــ سیدھا تلبیس و الحاد کی طرف جاتا ہے۔ امتِ مسلمہ میں خدانہ کردہ اسی کی چلت ہو جائے تو ملاحدہ کی جماعت اسی غلط منطق سے صوم و صلوٰۃ و حج و زکوٰۃ اور تمام اصطلاحات شرعیہ کو مسخ کر سکتی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ صلوٰۃ کے معنی لغت میں یہ یہ آتے ہیں، لہٰذا ارکانِ مخصوصہ کے ساتھ اسے خاص کر دینا غیر معقول ہے۔ وقس علی ہذا۔ ظاہر ہے کہ اس کا انجام دنیا میں امن و اصلاح نہیں، انتشار اور فساد ہو گا۔ اور آخرت میں دار القرار نہیں، دار البوار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اہلیت دے تو اجتہاد ضرور کیجئے، مگر خدا کے لئے پہلے اجتہاد اور الحاد کے درمیان اچھی طرح سے فرق کر لیجئے۔ تحقیق نئی ہو یا پرانی، اس کا حق کا مسلّم! لیکن خدارا تحقیق اور تلبیس دونوں کے حدود کو جدا جدا رکھیئے۔

رویت ہلال کی احادیث حضرات عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، عائشہؓ، ابوہریرہؓ، جابرؓ بن عبداللہ، براءؓ بن عازب، حذیفہؓ بن الیمان، سمرہؓ بن جندب، ابوبکرہؓ، طلقؓ بن علی، عبداللہؓ بن عباس، عبداللہؓ بن عمر، رافعؓ بن خدیج وغیرہم صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی روایت سے مستند ذخیرہ میں موجود ہیں، جنہیں اس مسئلہ میں کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لئے پیشِ نظر رکھنا ضروری تھا۔ مگر موصوف نے اپنے خاص مقصد کا پردہ رکھنے کے لئے ان سے استفادہ کی ضرورت نہیں سمجھی، صرف ایک روایت، جسکے آخری جملے میں قدرے اجمال پایا جاتا ہے، نقل کر کے فوراً لغت کا رخ کر لیا ـــــ آیئے چند روایات پر نظر ڈالیں، اور پھر دیکھیں کہ صحابہ و تابعین اور فقہائے مجتہدین نے ان سے کیا سمجھا ہے:

۱۔ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الشھر تسع وتسعون لیلۃ، فلا تصوموا حتیٰ تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلاثین۔ (متفق علیہ)	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے، مگر تم "چاند دیکھے بغیر" روزہ نہ رکھا کرو، اور اگر (انتیس) کا چاند ابر یا غبار کی وجہ سے نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کر لیا کرو۔

۲- عن عبد اللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہما: ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذکر رمضان فقال: لاتصوموا حتی تروا الھلال ولاتفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروا لہٗ
(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص۱۷۴)

....

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: (انتیس کا) چاند دیکھے بغیر نہ تو روزے رکھنا شروع کرو، اور نہ چاند دیکھے بغیر روزے موقوف کرو، اور ابر یا غبار کی وجہ سے نظر نہ آئے تو اس کے لئے (تیس دن کا) اندازہ رکھو۔

۳- کتب عمر بن عبد العزیز رضی اللّٰہ عنہ الی اھل البصرۃ: بلغنا عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ــــ تذکر نحو حدیث ابن عمر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وزاد ــــ وان احسن ما یقدر لہٗ انا رأینا ھلال شعبان لکذا وکذا فالصوم انشاء اللّٰہ لکذا وکذا الا ان یروا الھلال قبل ذالک۔
(ابوداؤد ص۳۱۸ طبع کراچی)

خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اہل بصرہ کو خط لکھا کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی ہے ــــ (یہاں اسی مذکورہ بالا حدیث ابن عمرؓ کا مضمون ذکر کیا اور اتنا اضافہ کیا۔) ــــ اور بہترین اندازہ یہ ہے کہ ہم نے شعبان کا چاند فلاں دن دیکھا تھا، اس لئے (تیس تاریخ کے حساب سے) روزہ انشاءاللہ فلاں دن ہوگا، ہاں چاند اس سے پہلے (انتیس کو) نظر آجائے تو دوسری بات ہے۔

۴- عن حسین بن الحارث الجدلی ان امیر مکۃ خطب ثم قال: عھد الینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان ننسک للرؤیۃ فان لم نرہٗ وشھد شاھدا عدل نسکنا بشھادتہما.... ان فیکم من ھو اعلم باللّٰہ ورسولہ منی، وشھد ھذا من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ــ واومأ بیدہٖ

حسین بن حارث جدلی فرماتے ہیں: امیر مکہؓ نے خطبہ دیا، پھر فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تاکیداً یہ حکم دیا تھا کہ ہم عید، بقرعید صرف چاند دیکھ کر کیا کریں اور اگر (ابر یا غبار کی وجہ سے) ہم نہ دیکھ سکیں (یعنی رؤیۃ عامہ نہ ہو) مگر دو معتبر اور عادل گواہ رؤیت کی شہادت دیں، تو ہم انکی شہادت پر عید، بقرعید کر لیا کریں ــــ اور ایک صاحب جو حاضر مجلس تھے، ان کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: آپ کی اس

الی رجل۔ قال الحسین فقلت لشیخ الی جنبی: من هذا الذی اومأ الیه الامیر: قال: هذا عبد الله بن عمر وصدق کان اعلم بالله منه، فقال: بذالك امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم (ابوداؤد ص ۳۱۹)

مجلس میں یہ صاحب موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم الٰہی میں نے ذکر کیا یہ اس کے گواہ ہیں حارث کہتے ہیں میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک بزرگ سے دریافت کیا: یہ کون صاحب ہیں جن کی طرف امیر صاحب نے اشارہ کیا کہا: یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور امیر صاحب نے صحیح کہا تھا، یہ واقعی خدا و رسول کے احکام کے بڑے عالم تھے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی کا حکم فرمایا ہے۔

۵۔ عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم جعل الله الاهلة مواقیت للناس فصوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته فان غم علیکم فعدوا ثلاثین یوما۔ (رواه الطبرانی کما فی تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۵ واخرجه الحاکم فی المستدرك بمعناه وقال صحیح الاسناد واقره علیه الذهبی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہلالوں (نئے چاند) کو لوگوں کے لئے اوقات کی تعیین کا ذریعہ بنایا ہے، لہذا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس دن شمار کر لو۔۔۔۔۔۔

۶۔ عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته فان حال بینکم وبین منظره سحاب او قترة فعدوا ثلاثین (احکام القرآن للجصاص ص ۲۰۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی افطار کرو، اور اگر تمہارے اور اس کے نظر آنے کے درمیان ابر یا سیاہی حائل ہو جائے تو تیس دن شمار کر لو۔

٧- عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال صوموا رمضان لرؤيته
فان حال بينكم غمامة اوضبابة
فاكملوا عدة شهر شعبان ثلاثين
ولا تستقبلوا رمضان بصوم
يوم من شعبان - (احکام القرآن ص۲۰۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رمضان کا روزہ چاند دیکھ کر رکھا کر پھر اگر تمہارے درمیان ابر یا دھند حائل ہو جائے تو ماہِ شعبان کی گنتی تیس دن پوری کر لو اور رمضان کے استقبال میں شعبان ہی کے دن کا روزہ شروع نہ کر دیا کرو۔

٨- عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لا تصوموا قبل رمضان، صوموا لرؤيته
وافطروا لرؤيته، فان حالت دونه
غياية فاكملوا ثلاثين يوما۔
(ترمذی ص۸۴)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رمضان سے پہلے ہی روزہ شروع نہ کر دیا کرو، بلکہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر اس کے ورے ابر حائل ہو جائے تو تیس دن پورے کر لیا کرو۔

٩- عن ابی البختری قال خرجنا للعمرة
ببطن نخلة ترائينا الهلال فقال
بعض القوم هو ابن ثلاث وقال
بعض القوم هو ابن ليلتين
فلقينا ابن عباس رضی اللہ عنہما
فقلنا ترائينا الهلال فقال بعض
القوم هو ابن ثلاث وقال
بعض القوم هو ابن ليلتين
فقال اى ليلة رأيتموه قلنا
ليلة كذا وكذا، فقال ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مدّه للرؤية فهو لليلة رأيتموه

ابو البختری کہتے ہیں ہم عمرہ کے لئے بطن نخلہ پہنچے تو چاند دیکھنے لگے، کسی نے کہا تیسری رات کا ہے، اور کسی نے کہا دوسری رات کا ہے، بعد ازاں جب ہماری ملاقات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہوئی تو ہم نے ان سے عرض کیا کہ ہم نے چاند دیکھا تھا، مگر بعض کی رائے تھی کہ دوسری رات کا ہے، اور بعض کا خیال تھا کہ تیسری رات کا ہے، فرمایا: تم نے کس رات دیکھا۔؟ ہم نے عرض کیا: فلاں رات۔ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہینے کی مدت کا مدار رؤیت پر رکھا ہے۔ لہذا یہ چاند اسی رات کا تھا جس رات تم نے دیکھا۔ اور ایک روایت

وفی روایۃ عنہ قال اھللنا رمضان ونحن بذات عرق فارسلنا الی ابن عباس یسألہ، فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ قد امدّہ لرؤیتہ فان اغمی علیکم فاکملوا العدۃ

(مسلم ص ۳۴۸ ج ۱ الفتح الربانی ص ۲۴۸ ج ۹)

میں ہے کہ ہم نے رمضان کا چاند ذات عرق میں دیکھا (اور ہمارے درمیان اختلاف رائے ہوا کہ کس تاریخ کا ہے) چنانچہ ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی اسکی تحقیق کے لئے بھیجا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا مدار رؤیت پر رکھا ہے، پس اگر نظر نہ آسکے تو گنتی پوری کی جائے۔

۱۰- عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین۔

(متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، پھر اگر وہ ابر و غبار کی وجہ سے نظر نہ آئے تو تیس دن کی گنتی پوری کرو۔

۱۱- عن ابن عمر قال قال رسول اللہ علیہ وسلم انا امّۃ امیّۃ لا نکتب ولا نحسب الشھر ھکذا وھکذا وھکذا وعقد الابھام فی الثالثۃ ثم قال الشھر ھکذا وھکذا وھکذا یعنی تمام الثلاثین

(متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۱۷۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم تو امتِ امیہ ہیں، ہمیں (اوقات کے تعین کیلئے) حساب کتاب کی ضرورت نہیں، بس (اتنا جان لو) کہ مہینہ کبھی اتنا، اتنا، اتنا ہوتا ہے۔ دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا اور تیسری مرتبہ ایک انگلی بند فرمائی (یعنی انتیس کا) اور کبھی اتنا، اتنا، اتنا ہوتا ہے۔ یعنی پورے تیس دن کا۔

...

۱۲- عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الھلال فصوموا واذا رأیتموہ فافطروا فان غم علیکم فعدّوا ثلاثین یوما۔

(الفتح الربانی: بتقریب مسند احمد ص ۲۴۸ ج ۹ ورجالہ رجال الصحیح)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم چاند دیکھ لو تب روزہ رکھو، اور جب چاند دیکھ لو تب افطار کرو، پھر اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس دن گن لو۔

...

۱۳- عن قیس بن طلق عن ابیہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل جعل ھذہ الاھلۃ مواقیت للناس صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فاتموا العدۃ۔
(الفتح الربانی ص ۲۴۷/۹)

قیس بن طلق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان ہلالوں (نئے چاند) کو لوگوں کے لئے تعین اوقات کا ذریعہ بنایا۔ بس چاند دیکھ کر روزہ رکھا کرو اور چاند دیکھ کر ہی افطار کیا کرو۔ پھر اگر مطلع ابر آلود ہونے کی بنا پر وہ نظر نہ آئے تو (تیس دن کی) گنتی پوری کرو۔

۱۴- عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتحفظ من شعبان مالا یتحفظ من غیرہ ثم یصوم لرؤیۃ رمضان فان غم علیہ عد ثلاثین یوماً
(ابوداؤد ص ۳۱۸)

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جتنا شعبان کے چاند کا اہتمام فرماتے تھے اتنا کسی دوسرے ماہ کا نہیں فرماتے ہیں، پھر چاند دیکھ کر رمضان کا روزہ رکھا کرتے تھے، لیکن مطلع غبار آلود ہونے (اور کہیں سے رویت کی اطلاع نہ ملنے) کی صورت میں (شعبان کے) تیس دن پورے کیا کرتے تھے۔

۱۵- عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تقدموا الشھر بیوم ولا بیومین الا ان یوافق ذالک صوماً کان یصومہ احدکم۔ صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فعدوا ثلاثین ثم افطروا
(رواہ الترمذی)
(وقال: حدیث ابی ھریرۃ حسن صحیح والعمل علی ھذا عند اھل العلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مہینے کی آمد سے ایک دو دن پہلے ہی روزہ شروع نہ کر دیا کرو، البتہ اس دن کا روزہ رکھنے کی کسی کی عادت ہو تو دوسری بات ہے ——— بلکہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، اور مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے وہ نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کر کے پھر افطار کرو۔

۱۶- عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مہینے کی آمد

لاتقدموا الشہر حتی تروا الھلال او تکملوا العدۃ، ثم صوموا حتی تروا الھلال او تکملوا العدۃ۔

(ابوداؤد ص۳۱۸)

سے پہلے ہی روزہ شروع نہ کر دیا کرو جبتک کہ چاند نہ دیکھ لو یا گنتی پوری نہ کر لو، پھر برابر روزے رکھتے رہو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو یا گنتی پوری نہ کر لو۔

۱۷۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ علیہ وسلم: لاتقدموا الشہر بصیام یوم ولا یومین الا ان یکون شیئ یصومہ احدکم ولا تصوموا حتی تروہ ثم صوموا حتی تروہ، فان حال دونہ غمامۃ فاتموا العدۃ ثلاثین ثم افطروا، والشہر تسع وعشرون

(ابوداؤد ص۳۱۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رمضان سے ایک دو دن پہلے ہی روزہ شروع نہ کر دیا کرو، الا یہ کہ اس دن روزہ رکھنے کی کسی کی عادت ہو (مثلاً دوشنبہ یا پنجشنبہ کا دن ہو) بہرحال چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھو، پھر چاند نظر آنے تک برابر روزے رکھتے رہو۔ اور اگر اس کے درے بادل حائل ہوں تو تیس کی گنتی پوری کر لو، تب افطار کرو، ویسے مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے۔

۱۸۔ عن عبدالرحمان بن زید بن الخطابؓ یقول: انا صحبنا اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتعلمنا منہم وانہم حدثونا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان اغمی علیکم فعدوا ثلاثین فان شھد ذوا عدل فصوموا وافطروا وانسکوا۔

(سنن دارقطنی ص۲۳۲)

عبدالرحمان بن زید بن خطابؓ فرماتے ہیں: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (کرام رضوان اللہ اجمعین) کی صحبت میں رہے ہیں اور ان ہی سے علم بھی سیکھا ہے انہوں نے ہمیں بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، اور اگر ابر وغبار کی وجہ سے نظر نہ آئے تو تیس دن شمار کر لو، لیکن اگر اس حالت میں دو معتبر اور عادل شخص رؤیت کی شہادت دیں، تب بھی روزہ، عید یا بقرعید کرو۔

(باقی آئندہ)

علامہ مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

انسانی فطرت کی لامحدود خواہشات کیسے پوری ہوں؟

طفل تسلی کی وہ جھوٹی شکل کیا انسان کی غیر مطمئن فطرت کو واقع میں مطمئن بنانے میں کامیاب ہو سکتی ہے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ موجودہ نسلوں کو اس کی تھپکیاں دے دے کر کیا ہم چین کے ساتھ سلا سکتے ہیں کہ زمین کے اسی کرہ پر "آج" نہیں تو "کل" ہماری آئندہ نسلوں کو ایسی زندگی میسر آنے والی ہے، جس میں چاہنے والے جو کچھ چاہیں گے وہی پائیں گے۔ ایسے میکانکی آلات نئی نئی ایجادات و اکتشافات کا ظہور ہونے والا ہے کہ اس کے بعد محرومی کا یہ گلہ آدم کی اولاد کو باقی نہ رہے گا ـــــ مگر اس امکان کے تصور کی یہاں قطعاً گنجائش نہیں ـــــ ہاں انسانی فطرت اور اس کے لامحدود مطالبوں کا ازالہ ایک ایسی عجیب و غریب شکل میں مذہب کے ذریعہ سے ہو جاتا ہے کہ اس کی ساری بےچینیاں، چین کی اور ساری پریشانیاں، سکون و عافیت کی سیڑھیاں بن جاتی ہیں ـــــ

انسانی فطرت صبر اور سیری کی صفت سے محروم رکھ کر پیدا کی گئی ہے۔ اور معاشی سرمایہ جس پیمانہ پر یہاں پیدا ہو رہا ہے، خواہ دیکھنے میں وہ جتنا بھی نظر آئے، لیکن قدرت کا یہ اٹل قانون ہے کہ مجموعی حیثیت سے بسط و فراخی کی کیفیت اس سے کبھی پیدا نہیں ہو سکتی، اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم میں کوئی ہو، ہر ایک یہی محسوس کر رہا ہے کہ اسکی چاہ پوری نہیں ہو رہی ہے، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر ہماری اندرونی جھنجھلاہٹوں کا تعلق اسی صورت حال سے ہے۔ جسے دیکھئے، جہاں دیکھئے، جس طرف دیکھئے یہی آواز آرہی ہے کہ ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے ۔۔۔ بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

اسی چیز نے انسانی زندگی کو ایک طوفان بنا دیا ہے۔ ایسا طوفان کہ ہر جینے والا یہی کہتے ہوئے مر رہا ہے ؎

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

ہمارے شاعروں نے اسی کی تصویر مختلف الفاظ میں کھینچی ہے۔ حیات کی یہ قید ان کو کبھی غم کا پھندا اور بند نظر آتا ہے۔ اسی لئے:

"قید حیات و بند غم" اصل میں دونوں ایک ہیں

کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ کبھی یہی غالب "زندگی" کو "سوز" اور "سوز" کو "زندگی" بتاتے ہوئے بالآخر اس حقیقت کے اعلان پر کہ ؎

غم ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے۔ زندگی کسی قالب اور کسی رنگ میں ہو، غالبؔ کی نگاہوں میں وہ جلتی ہوئی ایک شمع ہے کسی رنگ کی چمنی اس پر چڑھائی جائے سبز ہو یا سرخ، لیکن جب تک روشن ہے جلے گی۔ اور جب تک جلتی رہے گی اسی وقت تک وہ روشن ہے، شیراز کے عارف کو تو کھل کر یہ کہنا پڑا کہ ؎

نہ گل از داغ غمت رست نہ بلبل در باغ ہمہ را نعرہ زناں جامہ دراں می داری (حافظ)

الغرض بے چینی اور اضطراب، کرب و تکلیف کی اس کیفیت کا احساس موجودہ زندگی میں سب ہی کو ہو رہا ہے۔ انفرادی طور پر ہو سکتا ہے کہ اس میں استثنا بھی ہو، جیسے ہر کلیہ میں استثناء بھی ایک کلیہ ہے۔ لیکن اضطراب و بے چینی، کرب و تکلیف کے عام ہنگاموں میں ٹوٹنے والوں کو عموماً یہی کانٹا چبھا یا چبھا ہوا نظر آیا ہے کہ سب، سب کچھ چاہتے ہیں۔ لیکن چاہنے والوں کی چاہ کو پوری کرنے کیلئے جو سرمایہ یہاں پیدا ہو رہا ہے، وہ ایک ایسے مقررہ محدود پیمانہ پر پیدا ہو رہا ہے جس سے سب کی یہ چاہ پوری نہیں ہو سکتی، اکبرؔ مرحوم نے فرمایا تھا ؎

یہ بات ہے صاف مجھ سے سن لے، کتاب میں اسکو کیا پڑھے گا

حدود فطرت کے ہیں مقرر جو یہ گھٹے گا تو وہ بڑھے گا

لامحدود خواہشوں والی فطرت کا رخ ایسے محدود سرمائے کی طرف پھیر دیا گیا ہے، جسے دنیا کی کوئی طاقت لامحدود نہیں بنا سکتی۔ محدود پر لامحدود کا انطباق چونکہ نہیں ہو رہا ہے، اور نہیں ہو سکتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ خواہشوں کے جس محدود حصہ کو تکمیل کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اس وقت تو

آدمی مسرور ہوتا ہے لیکن نہ پورے ہونے والے ارمانوں کا جو قافلہ عدم کی راہ سے رہا ہے، اسی کا ماتم ہے جس کے غم میں اولادِ آدم سوگوار ہے۔ مسکین شاعر نے کتنے دردناک پیرایہ میں کہا تھا

ہوئے ہیں دفن مرے ساتھ سینکڑوں ارماں   عدم کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

پھر کیا کیا جائے؟ کیا چھوڑ دیا جائے، اسی حال میں آدمی کو تڑپتا پھڑکتا چھوڑ دیا جائے کہ ؎

جنت بنا سکے گا ہرگز نہ کوئی اسکو   اکبر یونہی چلی ہے دنیا یوں ہی چلے گی

کہتے ہیں کہ "الیاس احدی الراحتین" قنوط و مایوسی بھی ایک قسم کی راحت ہی ہے، اسی قسم کی راحت جو ارمانوں اور امیدوں کے پورے ہونے سے ہوتی ہے، شعر کی دنیا میں ہو سکتا ہے کہ سن بھی لیا جائے۔ لیکن کامیابی کی مسرت اور ناکامی کی خاموش کھسیاہٹ حقیقت بینوں کی نگاہ میں ایک نہیں ہو سکتی۔ اگر راحت کی یہ دونوں شکلیں ایک ہی ہیں تو تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے ایک کو دوسرے سے بدلنے کے لئے کیا کوئی تیار ہو سکتا ہے۔؟

یہ نہیں تو طفل تسلی کی وہ جھوٹی شکل کیا انسان کی غیر مطمئن فطرت کو واقع میں مطمئن بنانے میں کامیاب ہو سکتی ہے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ موجودہ نسلوں کو اس کی تھپکیاں دے دے کر کیا ہم چین کیساتھ سلا سکتے ہیں کہ زمین کے اسی کرّہ پر آج نہیں تو کل ہماری آئندہ نسلوں کو ایسی زندگی میسر آنے والی ہے، جس میں چاہنے والے جو کچھ چاہیں گے وہی پائیں گے ایسے میکانکی آلات نئی نئی ایجادات و اکتشافات کا ظہور ہونے والا ہے کہ اس کے بعد محرومی کا یہ گلہ آدم کی اولاد کو باقی نہ رہے گا۔۔۔

——— ایسا ہوگا بھی یا نہیں اُسے تو جانے دیجئے۔ کم از کم جو قرآن کو خدا کا کلام[1]

---

[1] سورۃ البلد کی مشہور آیت ہے: لقد خلقنا الانسان فی کبد (قطعاً ہم نے پیدا کیا ہے آدمی کو درد جگر میں) پھر اس سے پہلے مکہ معظمہ کی اور مکہ معظمہ کے بھی اس زمانے کی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں زندگی گذار رہے تھے، قسم کھائی گئی ہے۔ اس کے بعد دوسری قسم ہے ووالدٍ وما ولد کی (یعنی اور قسم ہے والد کی اور جو پیدا ہوا) قرآن کی قسمیں اس دعویٰ کی جس کا ذکر قسموں کے بعد ہوتا ہے۔ عموماً دلیلیں ہوتی ہیں۔ آدمی کی موجودہ زندگی جگر خواری کی زندگی ہے۔ اس لئے یقیناً وادی غیر ذی زرع شہر مکہ کی زندگی ایک بہترین مثال ہے۔ پھر انسان کی فطرت کا یہ تجربہ کہ رسول اللہ جیسے ہی خواہ پر اسی اسی مکہ میں زندگی دوبھر کر دی گئی۔ اس سے بھی موجودہ زندگی کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ خصوصاً اپنے سب سے بڑے محبوب شہر اور محبوب پیغمبر کو بھی جب اس قسم کی زندگی دی گئی تو اس سے دوسرے سمجھ سکتے ہیں کہ موجودہ زندگی کی کیا حقیقت ہے۔ پھر یہ آدمی کا پیدا ہونا، گہر ہونے تک اس قطرہ کا حلقہ ہائے صد کام نہنگ سے گزرنا۔ اور ابھی یہ تجربات ختم بھی نہیں ہو پاتے کہ صاحبزادے پھر گہر ہونے کے لئے قطرے کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ باپوں میں بیٹوں کی جو محبت فطرتاً رکھی گئی ہے وہ زندگی کو پھر تلخ بناتی چلی جاتی ہے۔ لامتناہی سلسلہ ہے ایک کے بعد دوسری کڑی نمودار ہو رہی ہے۔

مان چکے ہیں، ان کے لئے تو اس مکان کے تصور کی جیسا کہ گذر چکا ہے قطعاً گنجائش نہیں، الرزق کی جن پیداواروں کے متعلق قدرت فیصلہ کر چکی ہے کہ عام بسط کی حالت جس سے پیدا ہو، اس پیمانے پر ان کی پیدائش یہاں نہ ہو گی پھر پیدا کرنے والا جس سرمایہ کو محدود رکھنا چاہتا ہے۔ اسی کو وہ غیر محدود کیسے بنا سکتے ہیں، جنھوں نے نہ دنیا پیدا کی ہے، نہ دنیا والوں کو پیدا کیا ہے۔ اور بالفرض مان بھی لیا جائے کہ آج نہیں تو کل ایسا ہو کر رہے گا، تو آنے والی نسلوں کے مطمئن ہو جانے سے یہ بتایا جائے کہ موجودہ نسلوں کی غیر تشفی یافتہ خواہشوں کو کیسے اطمینان بخشا جا سکتا ہے۔ زید کے تندرست ہو جانے سے غریب عمر کی بیماری کیسے اچھی ہو جائے گی۔ مستقبل کی ان بشارتوں میں آپ ہی بتائیے کہ حال والوں یا ان کے لئے جو کڑھتے اور جھینکتے، چلاتے اور کراہتے ہوئے، ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اب تک مرتے چلے گئے، مر رہے ہیں، مرتے چلے جائیں گے۔ ان مسکینوں کا تسکین کے ان مغالطوں میں کیا حصہ ہے۔؟

میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ہندوستان کے رہنے والوں کی مشکلات کا صحیح حل اگر یہ واقعہ نہیں ہو سکتا کہ امریکہ یا ارجنٹائن، برازیل یا ٹمبکٹو کے باشندے ان مشکلات میں مبتلا نہیں ہیں، پھر جیسے ایک جگہ کے رہنے والوں کی خوشحالیوں سے دوسرے مقام والوں کی بدحالیوں کی تلافی نہیں ہو سکتی تو ایک عہد کی نسلوں کی تلخیوں کا علاج آپ آنے والے دوسرے عہد کی نسلوں کی شیریں کامیوں کے وعدوں صرف وعدوں سے کیسے کر سکتے ہیں۔؟ آپ جہنم میں رہنے والوں کو یہ سنا سنا کر کیا خوش کرتے ہیں کہ ان کے پوتے "جنت" میں پیدا ہوں گے اور دوسروں کی مسرتوں ہی سے اگر ہم اپنی کلفتوں کے ازالہ میں کامیاب ہو سکتے ہیں تو مستقبل کے مشکوک بے بنیاد او ہامی وعدوں کی کیا ضرورت ہے؟ آپ ہی کے سامنے اسی زمانے میں ہر جگہ، ہر علاقہ اور ہر "خطہ" میں تشفی یافتہ فطرتوں کی کیا کمی ہے، بتا چکا ہوں کہ انسان سکینت وطمانیت کی جس کیفیت کے لئے تڑپ رہا ہے یہ مرہم تو ان تمام زندہ ہستیوں کو مفت بغیر کسی کدو کاوش، دردسری اور محنت کے حاصل ہے۔ جو انسان بن کر دنیا میں نہیں پیدا ہوئے ہیں، دوسروں کا اطمینان ہی اگر آپ کو مطمئن کر سکتا ہے تو شاخساروں پر چہچہانے والی چڑیوں، جوئباروں میں تیرنے والی مچھلیوں، اور مرغ آبیوں، مرغزاروں میں کلیلیں بھرنے والے ہرنوں کو دیکھ دیکھ کر بجائے آئندہ نسلوں کے ادھار وعدوں کے اطمینان کی اس نقد دولت کو کیوں حاصل نہیں کرتے۔ مستقبل کے "شنیدہ" مواعید سے آپ کی فطرت اگر خنکی حاصل کر سکتی ہے تو انسان کے سوا ہر دوسری زندہ ہستی "دیدہ" کی شکل میں آپ کے سامنے

اسی وقت اسی کیفیت کو تقسیم کر رہی ہے، جب دوسروں ہی کا سکون آپ کا سکون بن سکتا ہے تو پھر دوسروں میں خصوصیت پیدا کرنے کے کیا معنی؟

خیر کہاں تک کہتا چلا جاؤں۔ اور جنہوں نے قرآنی صداقتوں کے مطابق زندگی گذارنے کا عہد نہیں کیا ہے، سچی بات تو یہ ہے کہ میرا ان سے خطاب بھی نہیں ہے۔ فضا میں جو مغالطے پھیلا دئے گئے ہیں، شعوری یا غیر شعوری طور پر دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں میں بھی ان کے جراثیم کسی نہ کسی طرح پیوست ہوتے چلے جا رہے ہیں، اس لئے یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہہ دیتا ہوں، ورنہ ایک سیدھے سادھے مسلمان کے لئے یہی کافی ہے کہ الرزق یا انسان کے معاشی ذخیروں کی پیدائش کا پیمانہ قرآن کی رو سے اس دنیا میں غیر مبسوط یا غیر محدود شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ اس کی عدم مبسوطیت اور محدودیت کا جو حال آج ہے وہی کل بھی رہے گا، اور جب تک یہ حال ہے۔ الخیر کے حب شدید کے زدگی اور ہلوعیت و عدم سیری و بے صبری کے عارضہ میں اس مبتلا انسان کی بے چین فطرت، اپنی لامحدود خواہشوں کو معاشی پیداواروں کے محدود سرمائے پر منطبق نہ پاکر ہمیشہ بے کلی اور بے چینی کی اس حالت میں تڑپتی پھڑکتی رہے گی۔

قانون ازالہ کی راہوں سے علاج کرنے والوں نے آپ دیکھ چکے کہ معاشی زندگی کی اس پیچیدگی کو کتنی اہمیت دے رکھی ہے۔ زور آزمائیوں کی ساری تدبیروں کو وہ ختم کر چکے، اور جو باقی ہیں، انہیں بھی ختم کر رہے ہیں۔

لیکن اسلام نے بجائے ازالہ کے امالہ کی جو راہ اس سلسلہ میں بھی اختیار کی ہے وہ کتنی سادہ کتنی آسان کتنی سہل الوصول ہے، ایسی راہ کہ سننے کے بعد ممکن ہے کہ کہنے والے کہہ اٹھیں کہ یہ تو بالکل سامنے کی بات تھی، ایسی بات جس سے کون ناواقف ہے، اور یہی میں بھی کہنا چاہتا ہوں کہ آسانیوں کو غلط کاروں اور غلط فہموں نے کیوں دشوار بنا لیا، قدرت ظالم نہیں ہے اپنے بندوں کے لئے وہ رحم اور صرف رحم ہی رحم ہے، کیا یہ سمجھ میں آنے کی بات ہے، کہ سب سے زیادہ مکرم و محترم بنا کر جو پیدا کیا گیا ہے۔ تمام تقویموں میں سب سے احسن سب سے اچھی تقویم میں جو ڈھالا گیا، امانت اور خلافت کی خلعت سے جو سرفراز کیا گیا، ایک لمحہ کے لئے کوئی باور کر سکتا ہے کہ قصداً و ارادۃً ایک ایسی زندگی اسی کے گلے میں لٹکا دی گئی، جو جہنم بن کر اسے لپٹ گئی ایسی جہنم جس میں وہ جھلس رہا ہے، تڑپ رہا ہے، جل رہا ہے، بھن رہا ہے۔ اور اس طور پر جل بھن رہا ہے کہ علاج کی ساری تدبیریں اس عذاب سے نکلنے اور نکالنے میں بے کار ثابت ہو رہی ہیں۔

ذہنی ارتقاء اور عقلی عروج کا انتہائی زمانہ جس عہد کو انسانیت کے لئے ٹھہرایا جا رہا ہے، اس عہد میں بھی آئندہ نسلوں کے متعلق استقبالی وعدوں کی جھوٹی طفل تسلیوں کے سوا علاج کی کوئی دوسری تدبیر اب تک کسی کی سمجھ میں نہیں آئی ہے اور نہ آنے کی امید ہے۔ بہر حال بجائے ازالہ کے امالہ کی جس عجیب وغریب تدبیر کو میں اسلام کیطرف جو منسوب کر رہا ہوں آپ نے سمجھا؟ میں کیا کہہ رہا ہوں، کیا کہنا چاہتا ہوں۔؟

حقیقت تو یہ ہے کہ میں الدین یا مذہب کے نظام ہی کو اسی امالہ کی واحد بے خطا تدبیر سمجھتا ہوں خود ہی سوچ لیجئے، مذہب کس چیز کا نام ہے۔؟ یہی نا کہ زندگی کے موجودہ دور کو جس کا نام قرآنی اصطلاح میں الحیوۃ الدنیا ہے۔ اسی الحیوۃ الدنیا کو لامحدود قدرت وقوت رکھنے والے خالق کی مرضی کے مطابق اس لئے گذارنا، تاکہ خالق کی لامحدود قوتیں بھی انسانی مرضی کے مطابق ہو جائیں یعنی وہی

رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔ راضی ہو گیا اللہ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ سے

جس کا قرآنی خلاصہ ہے، جن لوگوں سے زیادہ اعتماد انسانیت کی تاریخ میں کسی کو حاصل نہیں ہوا یعنی حضرات رسل علیہم السلام ان ہی کی اعتمادی حقیقتوں کو ذریعہ بنا کر ہر ملک اور ہر قرن میں جو چیز مذہب کے نام سے پیش ہوتی رہی ہے، کون نہیں جانتا کہ اس کا حاصل یہی ہے، مذہب جس چیز کا نام ہے۔ یہ تو اس کا حاصل ہوا، لیکن آپ نے یہ بھی سوچا کہ لامحدود خواہشوں سے لب ریز فطرت کے ساتھ مذہب کے اس پیغام کو جوڑنے کا نتیجہ کیا نکلا۔؟

کوئی سمجھے یا نہ سمجھے لیکن ہوا یہی کہ دنیا کی معاشی پیداواروں کی محدودیت وعدم بسوطیت کی وجہ سے لامحدود مطالبوں والی انسانی فطرت میں بے چینی اور بے اطمینانی کے جو انگارے دہک رہے تھے، مذہب کے اس پُرزے کو جوڑنے کے ساتھ ہی محدود سے ہٹ کر انسانی فطرت کا رخ لامحدود کیطرف اچانک پھر گیا، انسانی فطرت کے مطالبے نہ پوری ہونے والی تمناؤں کی شکل اختیار کر کر کے آدمی کو جو تڑپا رہے تھے، شاداب بڑھتی ہوئی امیدوں اور ارمانوں کے پھول بن بن کر وہیں جہاں آگ صرف آگ بھری ہوئی تھی، شگفتہ وتر وتازہ تختوں سے بھرا ہوا باغ بن گیا جس سے زیادہ بھروسہ کسی دوسرے پر نہیں کیا جا سکتا، حتیٰ کہ خود اپنی آنکھوں اپنے کانوں پر بھی نہیں ان ہی غیر مشکوک قطعی علمی ذرائع (رسل اللہ) کی راہوں سے انسانی فطرت اور اس کے لامحدود مطالبوں کا امالہ ایک ایسی عجیب وغریب شکل میں مذہب کے ذریعہ سے ہو جاتا ہے کہ اس کی ساری بےچینیاں

باقی ص ۴۳ پر

مسائل و نوازل

آسمان سے انکار — ایک سوال کے جواب میں

تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید اُس ذات کی کتاب ہے جس نے تمام عالم کو پیدا کیا۔ اور کارخانۂ عالم کے تمام پرزے اور ان میں جو خاصیت اور قوت رکھی گئی ہے صرف اس ذات کے علم میں ہے، تو ایسی ذات کے کلام کا ایسے امور پر مشتمل ہونا ناممکن ہے جو واقعات اور حقائق کے مخالف ہوں۔ اسی بناء پر یہ ناممکن ہے کہ قرآن اور سائنس کی صحیح تحقیقات میں تضاد اور مخالفت ہو۔ سائنس کی تحقیقات قرآن کے مخالف اور متضاد معلوم ہوں، تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مخلوق سے اس میں کوئی غلطی ہوئی ہے، خالق اور مالک کی اپنے بنائے ہوئے کارخانہ کے بارہ میں بدگمانی ناممکن ہے۔ تو ایسی رسمی تحقیقات میں اگر لوگ نظر ثانی اور مکمل تحقیق کریں اور صرف تخمینہ اور اندازہ سے کام نہ لیں تو ضرور اپنے نظریہ کا غلط ہونا ان پر منکشف ہو جائے۔ ہر مسلمان کو یہ طریقہ کار اختیار کرنا ضروری ہے۔

موجودہ دور میں سائنسدانوں نے ایسے عجیب عجیب نظریات دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں کہ غیر مسلم تو درکنار بعض مسلمان بھی ان سے متاثر اور مرعوب نظر آتے ہیں جو آنکھیں بند کر کے سائنسدانوں کے ہر نظریہ کو قبول کرنے پر آمادہ ہو رہے ہیں، حالانکہ اندھی تقلید کرنا اور بلا دلیل کسی سے مرعوب ہونا نہ عقل کا تقاضا ہے اور نہ شرع کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عقول کو متفاوت پیدا کیا ہے۔ کسی کی عقل کمزور اور نارسیدہ ہے، اور کسی کی قوی اور دور رس۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ سائنسدانوں کے نظریات جدا تھے اور موجودہ زمانہ کے سائنسدانوں کے نظریات الگ ہیں۔ ایک سائنسدان کا نظریہ الگ ہوتا ہے تو دوسرے کا الگ۔ بلکہ بسا اوقات ایک شخص ایک وقت میں ایک نظریہ رکھتا ہے اور دوسرے وقت اپنی تحقیق سے رجوع کر لیتا ہے۔ تو جب عقل

کا یہ حال ہے تو کسی سے بلا دلیل مرعوب ہونا اور اسکی اندھی تقلید کرنا سراسر غلط اور خلاف عقل ہے۔ بلکہ اسکی دلیل پر غور کرنے کے بعد کوئی رائے قائم کرنا صحیح طریقۂ کار ہے۔

وہ دلائل جن کے ذریعہ ہم کسی چیز کے متعلق یقین حاصل کرتے ہیں، تین ہیں۔ ۱۔ اوّل حواس خمسہ یعنی سامعہ، باصرہ، شامہ، لامسہ، ذائقہ ہیں جن کے ذریعہ ہم محسوسات پر علم اور یقین حاصل کرتے ہیں، بشرطیکہ یہ حواس صحیح ہوں آفت رسیدہ نہ ہوں۔ تو احول (بھینگا) کو ایک چیز کا دو محسوس ہونا اور صفراوی مزاج والے کو میٹھی چیز تلخ محسوس ہونا چونکہ خارجی آفت کی وجہ سے ہے تو یہ غلطی حواس کے ذرائع یقین ہونے میں ہرگز خلل انداز نہیں ہوسکتی۔ ۲۔ دوسری دلیل عقل ہے جس کے ذریعہ ہم ایک غیر محسوس چیز پر یقین کر سکتے ہیں۔ اور جہاں حواس کا کام ختم ہوجاتا ہے۔ وہاں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم دھواں دیکھتے ہیں تو باوجود اس کے کہ ہمیں آگ نظر نہیں آتی ہمارا سو فیصد یقین ہوتا ہے کہ یہاں آگ موجود ہے۔ اور جب ہم خاک کا اڑنا اور پتوں کا ہلنا دیکھتے ہیں تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہوا موجود ہے اور اس کا بھی کوئی وجود ہے۔ اسی طرح جب ہم چاند کا گھٹنا بڑھنا دیکھتے ہیں تو ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ چاند کی روشنی سورج سے حاصل ہے۔ ۳۔ تیسری دلیل کسی معتمد شخص کی اطلاع اور اخبار ہے، جس کے ذریعہ ہم ان چیزوں پر علم حاصل کرتے ہیں، جن کی پہچان سے حواس اور عقل عاجز ہوں۔ مثلاً ایک شخص نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ نہیں دیکھا لیکن اس کا ان شہروں کے وجود پر پورا یقین ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ صرف عقل نے اپنے پر کفایت کی ہے، بلکہ اسے معتمد اطلاعات کی وجہ سے یہ یقین اور علم حاصل ہوا ہے۔ اور ایک اندھا جو کہ نہ تو کنواں اور سانپ دیکھ سکتا ہے۔ اور نہ عقل کے ذریعہ اسے یہ معرفت حاصل ہوسکتی ہے۔ تو اس کے لئے ایک معتمد شخص کی اطلاع واحد ذریعہ ہے۔ جس سے یقین حاصل کرسکتا ہے۔ اور اندھے کا یہ کہنا کہ جب تک میری سمجھ میں نہ آئے کہ یہ سانپ اور کنواں ہے تو میں ماننے کو تیار نہیں ہوں، یہ سراسر بے وقوفی ہوگی۔

بسا اوقات بعض لوگ کسی چیز کے وجود سے صرف اسی وجہ سے انکار کر بیٹھتے ہیں کہ یہ چیز نہ ہم نے دیکھی ہے اور نہ ہماری سمجھ میں آتی ہے، مختصر یہ کہ ہمیں اس کے وجود پر کوئی دلیل معلوم نہیں لہذا یہ چیز موجود نہیں ہے۔ مگر اسطرح انکار کرنا غلط ہے کیونکہ کسی کی بے علمی سے یہ لازم نہیں آتا کہ اور لوگوں کو بھی اس چیز کی دلیل کا علم اور خبر نہ ہو۔ مثلاً ایک عامی اس سے انکار کرے کہ چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے اور یہ کہے کہ یہ میری سمجھ میں نہیں

آتا، تو چونکہ اوروں کو دلیل سے یہ بات ثابت ہے کہ چاند اپنی روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے لہذا پہلی بات قابلِ سماعت نہ ہوگی۔

موجودہ دور کے سائنسدانوں کا خیال ہے کہ آسمان کا کوئی وجود نہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ نیلگوں چیز جو نظر آتی ہے یہ حدِ نگاہ ہے ــــــ مگر یہ سراسر غلط ہے کیونکہ قرآن وحدیث سے یہ ثابت ہے کہ آسمان کا ایک مضبوط زنگدار وجود ہے، جس میں دروازے بھی ہیں۔ اور بعض آثار و روایات میں تو ہر ایک آسمان کا مادہ بھی بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آسمان زمین سے پانچسو سال کی مسافت پر دور ہے اور اگر تین میل فی گھنٹہ کی رفتار سے بھی مسافت ہو تو ایک کروڑ انتیس لاکھ ساٹھ ہزار میل تقریباً بنتے ہیں ــــــ اور رنگ کے متعلق ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نیلا ہے۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ سرخ ہے، لیکن دوری اور فاصلہ کی وجہ سے نیلا دکھائی دیتا ہے، جیسا کہ رگ میں، خون پردہ کی وجہ سے، اور سرخ پہاڑ دوری کی وجہ سے نیلگوں نظر آتا ہے۔ البتہ قیامت کے دن آسمانُ کا اصلی رنگ دکھائی دے گا۔ یا نظر کے تیز ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ اس دن تمام حقائق منکشف ہوں گے ــــــ جس کا فکانت وردۃ کالدھان۔ میں ارشاد کیا گیا ہے ــــــ

قرآن وحدیث کے دلائل سے بے خبر ہونے کی وجہ سے آسمان کو حدِ نگاہ خیال کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہے ــــــ ایک اندھا آدمی جسے کوئی چیز نظر نہ آتی ہو اُسے کسی دور پڑی ہوئی چیز کے وجود کے بارے میں ایک عام آدمی سنجیدگی سے بتا دے تو وہ فوراً یقین کر لیتا ہے حالانکہ اُسے کچھ بھی نظر نہیں آتا ــــــ اور ہمارے پاس آسمان کے وجود کے بارے میں ایک معتمد ذات (پیغمبر علیہ السلام) کی اطلاعات، اخبارات اور مشاہدات موجود ہوں اور پھر بھی ہم آسمان کو حدِ نگاہ کہیں تو یہ کسقدر عجیب بات ہے ــــــ ایک سائنسدان کا مشاہدہ یا اطلاع قابلِ تسلیم ہو سکتی ہے، تو کیا ایک مخبرِ صادقؐ کی ایسی کوئی اطلاع قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتی۔ ؟

تعارف و تبصرۂ کتب

- تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے۔
- ادارہ تبصرہ کرنے کا پابند نہیں۔ اس لئے جلد تبصرہ کرنے پر اصرار نہ کیا جائے۔
- تبصرہ نگار کا پوری کتاب سے اتفاق ضروری نہیں تبصرہ کی حیثیت سرسری تعارف کی ہے۔

ذکرِ الٰہی

از شاہ مسیح اللہ شروانی مذظلہٗ۔ صفحات ۹۶۔ قیمت ‎۵/۰ روپیہ
ناشر مجلس صیانۃ المسلمین ۶۹ مال روڈ۔ لاہور

ذکرِ الٰہی اطمینانِ قلب، سرخروئی دارین اور بقائے عالم کا ذریعہ ہے، حضرت شاہ مسیح اللہ صاحب خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی ؒ نے اپنے ایک وعظ میں بہت دلنشین اور اپنے مرشد مرحوم جیسے حکیمانہ رنگ میں ذکر و فکر کی فضیلت و اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اثنائے تقریر میں تزکیہ نفس اور تصوف و حکمت سے متعلق اور بھی کئی اہم نکات و لطائف آگئے ہیں۔ کتاب کی پوری حلاوت تو مطالعہ ہی سے ہو سکتی ہے۔ آخر میں شاہ صاحب مذظلہٗ کے چند نصائح بھی شامل کئے گئے ہیں۔ کتاب کی ظاہری رعنائی بھی مکتبہ امداد العلوم کی دیگر مطبوعات کی طرح ہے۔

قبولیتِ دُعا اور اسکے طریقے

از مولانا محمد ادریس الانصاری، قیمت ‎۲/۵۰ روپے
صفحات ۱۱۲۔ ناشر ادارۂ تبلیغ الاسلام۔ صادق آباد۔

دعا مغزِ عبادت اور حصولِ مرضیاتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ مؤلف محترم نے قبولیت دعا اور اس کے آداب اور طریقوں کو مختصراً ذکر کرنے کے بعد معمولات مشائخ کے عنوان سے حضرت خواجہ اجمیریؒ، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، خواجہ عثمان دامانیؒ، شاہ عبدالعزیزؒ۔ مولانا محمد الیاسؒ اور پھر خود اپنے مرشد و مربی شیخ طریقت مولانا عبدالغفور عباسی المدنی دامت برکاتہم کے معمولات اشغال اور وظائف کو جمع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر کسی ایک طریقہ میں منحصر نہیں، پھر بھی اکابر اولیاء اللہ کے آزمودہ اوراد و وظائف کا موجب خیر و برکت ہونا ایک حقیقت ہے۔ اس لئے یہ کتاب رضائے مولیٰ حاصل کرنے اور ذکر و اذکار میں کوشاں خدا کے بندوں کیلئے عموماً اور موخر الذکر بزرگ حضرت مولانا العباسی مذظلہٗ کے متوسلین کے لئے خصوصاً نعمت

بے بہا ہے۔ مولانا محمد اویس انصاری نے ان معمولات کو یکجا کر کے ایک تو بزرگوں کے تبرکات کو یکجا محفوظ کر دیا اور پھر رضائے مولیٰ کے شائق حضرات اور اہل حاجات کیلئے ایک مجرب اور موثر نسخہ بھی مہیا فرما دیا ہے جو بلاشبہ روحانی امراض کیلئے تریاق ہے۔ کاغذ اور طباعت بھی نہایت اعلیٰ اور دیدہ زیب ہے۔

النبی الخاتم | از علامہ مناظر احسن گیلانی مرحوم۔ صفحات ۱۲۸۔ قیمت ۵۰/۹ روپے۔ مکتبہ رشیدیہ ۳۲-اے شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور

یہ اکتوبر ۱۹۵۷ء کی بات ہے کہ ملتان کے ایک دینی مدرسہ کے جلسۂ دستار بندی میں شمولیت کا اتفاق ہوا۔ تقریب دستار بندی کے اختتام پر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فضلاء مدرسہ سے مختصر خطاب فرمایا۔ (اور اس وقت شاہ جیؒ کے ضعف علالت اور نقاہت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور آسمانِ خطابت کا یہ آفتاب پوری طرح گرہن کی زد میں تھا۔) شاہ جی مرحومؒ نے فضلاؤں کو دیگر نصائح اور ذمہ داریوں پر تنبیہ کے ساتھ ساتھ فتنۂ انکارِ حدیث پر توجہ دلائی۔ پھر حجیت حدیث کے ضمن میں حضرت علامہ گیلانیؒ مرحوم کی کتاب "تدوینِ حدیث" کو سراہتے ہوئے اس کے مطالعہ پر زور دیا اور فرمایا:

"میں نے جب حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب تدوین حدیث کا مطالعہ کیا تو مجھ پر وجد اور جذب کی حالت طاری ہوئی، حضرت مولانا گیلانی جب اس کتاب کو لکھ رہے تھے تو مجھے خیال ہوا کہ مولانا موصوف اور صاحب مدینہ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سارے حجاب ہٹا دئے گئے ہیں۔ اور آنحضرتؐ کا بول مولانا لکھ رہے ہیں۔ تدوین حدیث فتنہ انکارِ حدیث کی رد میں آخری قاطع اور کامیاب چیز ہے اور اس طرح صحیفہ ہمام بن منبہؒ ——"

تدوینِ حدیث کی طرح شاہ جیؒ کی یہ بات علامہ گیلانی کی کتاب النبی الخاتم پر بھی صادق آتی ہے۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ سیرت لکھتے وقت صاحبِ سیرت علیہ السلام کی خاص توجہات اور عنایات سیرت نگار کے شاملِ حال رہیں اور روح القدس کے فیض خاص سے مؤلف کی روح فیض یاب ہوتی رہی۔ مبدأ فیاض نے ان کی دستگیری کی اور عشق کی آگ اور سوز و گداز میں ڈوب کر مصنف نے صاحبِ محبوبیت کبریٰ کا ایک ایسا حسین مرقع "النبی الخاتم" کے نام سے تیار کیا جو درود و سوز، جذب و وجد کے ساتھ ساتھ استناد و تحقیق اور

استخراج نتائج کا شاہکار ہے۔ کتاب کا انداز بیان ایسا ہے کہ آسمانی صحیفوں اور الہامی عبارتوں کا گمان ہو جائے۔ اگر کسی دوسری کتاب کی تلاوت جائز ہوتی تو جی چاہتا کہ اسکی تلاوت کی جائے۔ سیرت مطہرہ کے واقعات و احوال کو عجیب و غریب ربط و ترتیب سے مختصراً بیان کیا گیا ہے کہ ہر سطر صداقتِ رسالت کا دعویٰ بھی ہے اور دلیل بھی۔ پہلے مکی زندگی کا بیان ہے، جسے مصنّف نے دل کا اور پھر مدنی زندگی کا جسے دماغ کا دور قرار دیا ہے۔ مؤلف اپنے وقت کے نہ صرف محقق اجل اور نقّاد و بصیر عالم تھے، بلکہ صاحب حال اور صاحبِ دل بزرگ بھی اور جب سوز و گداز کے ساتھ علم و تحقیق بھی جمع ہو جائے تو نشہ کیوں دو آتشہ نہ ہو۔؟ کتاب کی معنویت جامعیت اور صحیح حلاوت کا اندازہ ان لوگوں کو لگ سکے گا۔ جنہیں سیرت مطہرہ کے مطالعہ کا کافی موقعہ ملا ہو، خالی الذہن لوگ اس سے کم ہی فائدہ اٹھا سکیں گے اور ایسے لوگوں کو شاید اس پرجوش خراج تحسین میں بھی مبالغہ محسوس ہوگا، جو اکابر و اعاظمِ وقت نے کتاب اور مؤلف کتاب کی بارگاہ میں پیش کیا ہے۔ مصنف نے خود تقریباً ساڑھے چار سو عنوانات لگا کر کتاب کی گیرائی اور گہرائی کو قدرے کھول دیا ہے۔ کتاب اس سے قبل دو ایک بار شائع ہو چکی تھی۔ مگر کتابت و طباعت میں اس کے شایانِ شان نہ تھی۔ اب مکتبۂ رشیدیہ نے اس پُر تاثیر، مبارک اور مقدس تالیف کو بہتر سے بہتر پیرایۂ طباعت میں پیش فرما کر حسنِ سیرت کے ساتھ اس کے حسنِ صورت کو بھی کمال تک پہنچا دیا۔ ہمارے ہاں مکتبۂ رشیدیہ غالباً پہلا مکتبہ ہے جس نے علمی اور دینی کتابوں کو اس شان بان اور ایسی بہترین طباعت اور کتابت سے پیش کیا ہے جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔

سنت کا تشریعی مقام
(قرآن عظیم کی روشنی میں)

از مولانا محمد ادریس میرٹھی استاد مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کراچی ۵
ناشر مکتبہ اسلامیہ مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی ۱
صفحات ۲۴۰ - قیمت مجلد ۵/۵۰ روپے

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ تمام فرقِ باطلہ از قسم خوارج معتزلہ قدریہ و مرجیۂ وغیرہ نے جتنی بھی تحریف و تلبیس اور دین سے انکار کے راستے اختیار کئے تو اسکی بنیاد یہی رہی کہ سنت نبوی کی تشریعی حیثیت کو مجروح کرنے کیلئے کوئی شوشہ نکالا گیا۔ اس کے مصداق اور شرعی مفہوم کو محدود یا مسخ کر دیا گیا۔ یا پھر اسے قرآن سے جدا کرنے کی جدوجہد کی گئی مگر خداوند کریم نے ہر دور میں دین کی حفاظت کا اہتمام فرمایا۔ اور اس وقت جبکہ ہمارے ملک

میں فتنہ انکار و تحریف حدیث پورے عروج پر ہے، خداوند کریم نے علماء حق کو اس فتنہ کی علمی و فکری سرکوبی کرنے کی بھرپور توفیق دی ہے۔ پیش نظر کتاب فاضل جلیل مولانا محمد ادریس میرٹھی تلمیذ مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی فاضلانہ تصنیف ہے۔ جسمیں قرآن عظیم کی روشنی سے سنت کی تشریعی حیثیت کو واضح کیا گیا ہے۔ بالخصوص ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے "نظریۂ سنت جاریہ وغیر جاریہ" اور اس کے دیگر مزعومات باطلہ پر تنقید اور محاسبہ تو کتاب کا اساسی مقصد ہے۔ کتاب کے مرکزی ابواب یہ ہیں۔ ۱۔ لفظ سنت کی تحقیق اور استعمال ۔۔۔ ۲۔ سنت کا مصداق قرآن میں۔ ۳۔ وحی ۔۔۔ کتاب ۲۱۴ اہم مباحث اور عنوانات پر مشتمل ہے۔ جن لوگوں کو حدیث کے متعلق منکرین حدیث بالخصوص متجددین ادارہ تحقیقات کی دسیسہ کاریوں کے مطالعہ کا اتفاق ہوا ہو ان کے لئے خصوصاً اور تمام اہل علم کیلئے عموماً اس کتاب کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔ کتاب کا پیش لفظ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ نے تحریر فرمایا ہے۔

انہوں نے تخت کو تختہ بنا دیا

فرمایا" ارادوں کو قابو میں رکھ کر محل پر استعمال کرنا انسانیت ہے، ارادوں کا تابع تو جانور ہوتا ہے۔ جو اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے وہ جانور سے زیادہ مشابہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اپنے ارادوں اور جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکتے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ شطرنج کھیلنے میں کیا کرتے ہیں۔ کیا آپ اپنے ارادوں اور خواہشات کو شطرنج کے اصول اور قاعدوں کے ماتحت نہیں رکھتے، پھر شریعت کے احکام کے بارے میں آپ کیوں مجبور ہو جاتے ہیں، بہت سے لوگوں نے شریعت ہی کے احکام میں ترمیم و انتخاب کر لیا ہے۔ اور اس کو اپنے مطابق بنا لیا ہے۔۔ ایک بادشاہ نے کچھ لوگوں سے کہا کہ میرا یہ تخت اس کوٹھری کے اندر پہنچا دو۔ کوٹھری تنگ اور اس کا دروازہ چھوٹا تھا، ایک درباری نے کہا کہ حضور تخت بڑا ہے اور کوٹھری چھوٹی، یہ تخت اس کوٹھری میں نہیں سما سکتا، بادشاہ بہت ناراض ہوا، اور کہا کہ یہ بیوقوف ہیں، یورپ سے کچھ سمجھدار لوگ آگئے، انہوں نے کہا کہ ہم ابھی اس تخت کو اس کوٹھری میں بٹھا دیتے ہیں، یہ ناسمجھ لوگ ہیں، یہ ایسا نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اوزار سے اس تخت کے کونے کاٹے، تھوڑا سا ادھر سے لیا، تھوڑا سا ادھر سے لیا اور تخت کو چھوٹا اور مختصر کر کے کوٹھری میں لے گئے اور تخت کو تختہ کر کے رکھ دیا۔ اسلام بھی ایک تخت تھا، اسکی ایک کیل بھی نکالنے کی اجازت نہ تھی، لیکن انہوں نے اس تخت کو بھی تختہ بنا دیا۔ اور اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق کر لیا، حالانکہ ایک ایک پرزہ اپنی جگہ پر ہوتا ہے تو مشین چلتی ہے۔

(ملفوظات شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی مدظلہ)
الفرقان جمادی الاولیٰ

شاہ ولی اللہؒ کے نام پر | ماہنامہ "الرحیم" حیدرآباد جو شاہ ولی اللہ اکیڈمی سے ہر ماہ شائع ہوتا ہے جو محکمۂ اوقاف کا ایک شعبہ ہے، عرصہ دراز سے یہ ادارہ "علمائے کرام" کو اپنی طرف سے اور اپنے ادارہ کی نسبت "حسنِ ظن" میں مبتلا کئے رکھا۔ راقم الحروف دو، ڈھائی سال سے "الرحیم" کا مطالعہ کرتا رہا ہے۔ اس عرصہ کے دوران میں نے "الرحیم" کو کبھی علمائے کرام کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے پایا ہے تو کبھی "سلف صالحین" کو مفتی عبدہٗ کے الفاظ میں "کافر" اور "قدامت پرست" اور "تقلید شخصی" کو "شخصیت پرستی" کے القاب و الطاف سے نوازتے ہوئے پایا۔ لیکن علمائے کرام کی بے موقعہ رواداری نے اسکی اتنی حوصلہ افزائی کی کہ آخرکار مئی ۱۹۶۸ء کا "الرحیم" بڑی جرأت و بیباکی سے کہہ اٹھا کہ:

"انہی دنوں ہمیں شیخ ابوزہرہؒ کی کتاب "المذاہب الاسلامیہ" دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ موصوف نے شروع ہی میں لکھا ہے کہ اعتقادات کی بنا پر مسلمانوں میں جو فرقے بنے ان کے درمیان اعتقادی بنا پر کوئی جوہری فرق نہیں پایا جاتا یہ فرق اصل عقائد کے بجائے فروعات میں ہے اور شیخ موصوف کے نزدیک عقیدۂ توحید ہی عقائد اسلامی کا مغز و خلاصہ ہے، اور اس میں سب اہلِ قبلہ متحد الخیال ہیں۔"

اس پر قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

"اب اگر اس اصول پر تمام فرقوں کا اتفاق ہو جائے یا وہ اسے تسلیم کرنے پر آہستہ آہستہ آمادہ ہوتے جائیں تو اس وقت ان کے اختلافات میں جو شدت،

ہے اور اس میں جو مخاصمت پیدا ہو رہی ہے وہ بہت حد تک کم ہو جائے گی۔ (شذرات ص۵۸)

میری معلومات کے مطابق شاید کسی بھی سنّی مذہبی رسالہ نے اس پر مضبوط گرفت پہلے بھی نہیں کی اور نہ ہی اب مذکورہ بالا عبارت کا انہوں نے کچھ نوٹس لیا۔ ہاں البتہ ہفت روزہ "ترجمانِ اسلام" میں "مولانا زاہد گکھڑوی" صاحب نے اس کا نوٹس لیا اور اس کا فریب آشکارا کیا۔ کیا آپ کی نظر سے مئی ۱۹۶۸ء کا "الرحیم" نہیں گزرا۔ اگر نہیں گزرا تو اب بھی اس تحریر کا مکمل تعاقب اور محاسبہ کر کے اس ادارہ کی در پردہ فریب کاریوں اور سحر انداز یوں کی قلعی کھولی جا سکتی ہے۔ شروع ہی سے میری اس ناقص عقل و فہم کا یہی اندازہ تھا کہ یہ ادارہ بھی "ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ" کے کرتا دھرتا "ڈاکٹر فضل الرحمان" کے متجددانہ فکر کی بنیاد پر ہی کام کر رہا ہے، بلکہ اسی ادارہ کا یہ بھی ایک شعبہ ہے۔

(جاوید احمد بقا۔ پشاور)

نقشِ آغاز یا خطرناک بم | گذشتہ دنوں ہمارے ایک دوست نے پہلی مرتبہ ماہنامہ "الحق" مجھ خاکسار کو مطالعہ کے لئے عنایت فرمایا۔ میری بدقسمتی سے آج سے پہلے مجھے پتہ ہی نہ تھا کہ "الحق" نامی کوئی دینی رسالہ بھی شائع ہو رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا احسان ہے کہ مجھ ناچیز کی نظروں سے آپ کا بہت ہی مفید اور قیمتی رسالہ گذرا۔ یہ رسالہ مارچ ۱۹۶۸ء کا تھا۔ لیکن جونہی پہلے مضمون "نقشِ آغاز" کا مطالعہ کیا، میرے اوپر گویا آج کے دور کا سب سے خطرناک بم گرا اور میں یہ سوچنے لگا کہ آیا فاضل ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کیا حقیقت میں مسلمان ہو سکتے ہیں یا نہیں۔؟ ذہن میں اس وقت ایک حدیث کا مفہوم گونج رہا ہے کہ ایک شخص جس کا نام زندگی بھر دنیا کے اندر مسلمانوں کی فہرست میں رہا۔ لیکن کل قیامت کے دن اس بدنصیب، کا نام کافروں کی فہرست میں رہے گا۔ خدا نہ کرے کہ ڈاکٹر صاحب قرآن حکیم کی اس آیت شریفہ کے مصداق بن جائیں: ان المنافقین فی الدّرک الاسفل من النار۔ بلاشبہ منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے۔

میں یہ پڑھ کر انتہائی متفکّر ہوا کہ اسلامی سلطنت پاکستان جیسے ملک میں ایک عہدیدار اتنی دلیری سے ایسی غیر اسلامی اور لادینی باتیں پیش کرے اور مسلمان خاموشی کے ساتھ پڑھ سن کر خاموش رہیں ـــــ ہم بری مسلمان کیسے گئے گذرے سہی لیکن دین کے خلاف ایسی بیباک باتیں ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ کچھ سال پہلے قادیانیوں نے یہاں سر اٹھایا تھا۔ لیکن اللہ

کے فضل وکرم سے مسلمانوں نے جو قدم ان کے خلاف اٹھائے کہ ان کے قدم لڑکھڑا گئے اور ان کے سربراہ کو مرنے کے بعد دوگز زمین بھی ملنا مشکل ہو گئی اور اسکو دور دراز جاکر دفنانا پڑا۔

ہمارے دلوں میں پاکستانی صدر جناب محمد ایوب خان صاحب کی بے پناہ محبت ہے۔ صدر صاحب جب ماہانہ تقریر فرماتے ہیں تو سب سے پہلے بسم اللہ کہتے ہیں اور تقریر کے دوران لفظ انشاء اللہ کا استعمال کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے دل میں اسلام کی وقعت، محبت و جذبہ موجود ہے۔ لیکن ان کی سلطنت میں ڈاکٹر صاحب ایسی بے دینی کی باتیں علی الاعلان پیش کرتے ہیں تو نہایت قلق و افسوس ہوتا ہے۔

میں اس خط کے آخر میں پاکستانی مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ اگر آپ کے اندر ذرہ برابر بھی ایمانی حرارت ہے تو ڈاکٹر صاحب کی ان باتوں کے خلاف سخت احتجاج کریں۔ اور حکومت سے وعدہ لیں کہ آئندہ کوئی ذمہ دار یا غیر ذمہ دار شخص ایسی بے دینی کی باتیں پیش نہیں کرے گا۔ اگر خدانخواستہ قدرت ہونے کے باوجود آپ نے کوئی ٹھوس قدم نہ اٹھایا تو اللہ رب العزت جو ہر چیز پر قادر ہے تمام پاکستان والوں کو ایسے فتنہ میں ڈال دیں گے کہ آپ حواس باختہ ہو جائیں گے اور کسی طرف سے آپکی مدد نہ کی جا سکے گی۔ بروایت حضرت ابوہریرہ رض رسول خدا نے ارشاد فرمایا کہ اندھیری رات کے ٹکڑوں کیطرح آنیوالے فتنوں سے پہلے نیک عمل کرنے میں جلدی کرو، کیونکہ اس زمانہ میں انسان صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر ہوگا اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر ہوگا۔ اور ذراسی دنیا کے بدلہ دین کو بیچ دے گا۔ اللھم احفظنا۔

(مولانا عبداللہ رنگونی۔ سورتی جامع مسجد رنگون برما)

فضلین کا موازنہ | میں اُس زمانہ کے ابوالفضل اور اس زمانہ کے ابوالفضل کے عنوان سے ایک مضمون مرتب کرکے آئندہ ڈھاکہ میں منعقد ہونے والے اپنی جمعیۃ کے سالانہ اجلاس میں پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ اراکین جمعیۃ فضلین میں موازنہ کر سکیں۔ نیز اس زمانہ کی فضلی تحریک کی روک تھام کے لئے کوئی عملی قدم اٹھا سکیں مگر افسوس کہ ہمارے پاس کوئی سامان نہیں ہے۔

اُس زمانہ کے ابوالفضل کے حالات حیات اور کارنامے کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر ہم مشکل میں پھنس گئے، اِس زمانہ کے ابوالفضل کو لیکر۔ اس بارہ میں معلومات کی فراہمی کے سلسلہ میں اگر کوئی امداد کر سکیں تو امید ہے کہ خدمت دین کے پیش نظر اس میں دریغ نہ فرما دیں گے۔

(محمد عزیز الرحمان ناظم جمعیۃ علمائے اہل سنت والجماعۃ ۵۶/اے پیاری داس روڈ ڈھاکہ)

دعائے توفیق | میرے خیال میں ماہنامہ الحق اس وقت اسلام کی بہترین خدمت کر رہا ہے۔ مضمون نہایت مدلل ہوتے ہیں جس میں دشمنانِ اسلام کے لئے منہ توڑ جواب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو توفیق دے تاکہ اسلام کی خدمت جاری رکھ سکیں۔

(شیر بہادر سفارت پاکستان۔ دی ہیگ۔ ہالینڈ)

حق پسندی | الحق کے اعلیٰ معیار کی وجوہات میری ناقص رائے میں یہ ہیں کہ :-
۱۔ مضامین مختصر ہونے کے باوجود شگفتہ اور مدلل ہوتے ہیں۔ ۲۔ مضامین کے انتخاب میں پوری احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ ۳۔ ترتیب انوکھی اور نئے انداز پر کی جاتی ہے۔ ۴۔ قوم کو جس قسم کے تریاق کی ضرورت ہے وہ مہیا کرتا ہے۔ ۵۔ زائد باتوں سے پاک ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ عرض ہے کہ اس معیار کو قائم رکھئے۔

(اعجاز احمد سنگھانوی گلستان کورنگی کراچی)

اچھے رسائل کا مطالعہ | الحق کا اعتدال بہت پسند ہے، مضامین عمدہ، روش ستھری، اس لئے دین سے تعلق رکھنے والے دل کے لئے اس کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ اچھے رسائل کا مطالعہ علمی ماحول پیدا کرتا ہے۔

(فضل احمد مدیر ماہنامہ سلسبیل احمد پارک موہنی روڈ۔ لاہور)

ردِ عمل | مارچ کے شمارہ میں آپ نے فضل الرحمان کے اسلام پر مسلسل حملوں کی جو ۲۲ نکات پر مشتمل فہرست تحریر فرمائی ہے۔ اس سے سارے مشرقی پاکستان میں سخت غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اور مختلف احتجاجی جلسے ہو رہے ہیں، مشرقی پاکستان کے جمعیۃ العلماء اسلام اور نظام اسلام پارٹی کے لیڈروں نے آپ کی اس فہرست کو بنگلہ میں ترجمہ کر کے الحق کے حوالہ کے ساتھ ہزاروں اشتہارات شائع کئے ہیں اور تمام مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ جلسہ کر کے راولپنڈی اور ڈھاکہ کے پتوں پر تار بھیجا جائے۔ اس سے سارے صوبہ میں بیداری پیدا ہو گئی ہے۔ اپیل کرنے والوں میں صدر نظام اسلام پارٹی و جمعیۃ العلماء اسلام خطیب بنگال مولانا صدیق احمد صاحب (پٹیہ) پاکستان کے مشہور سیاسی رہنما فرید احمد صاحب، نائب صدر سید مصلح الدین، ناظم مولانا اشرف علی و سید مصطفیٰ المدنی و سید وحید خان ایم پی اے وغیرہ شامل ہیں۔ ہمارے کاکس بازار کی جمعیۃ نے بھی ڈھائی ہزار اشتہارات شائع کئے ہیں۔ اور ہر جگہ سے ان "نظریات" کے خلاف تار بھیجے جا رہے ہیں۔

(مختار حسن۔ چٹاگانگ۔ مشرقی پاکستان)